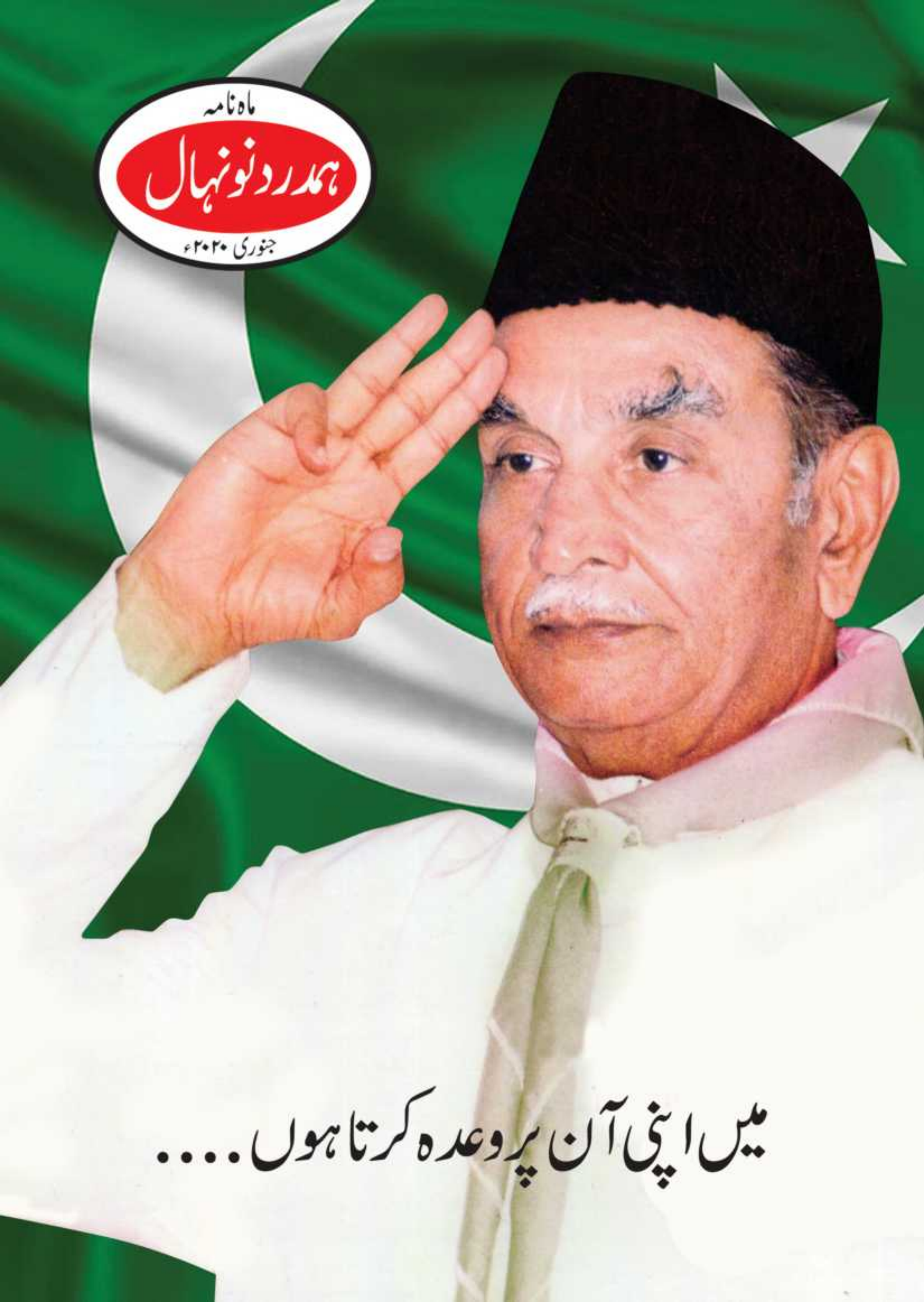
ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
جنوری ۲۰۲۰ء
میں اپنی آن پر وعدہ کرتا ہوں....

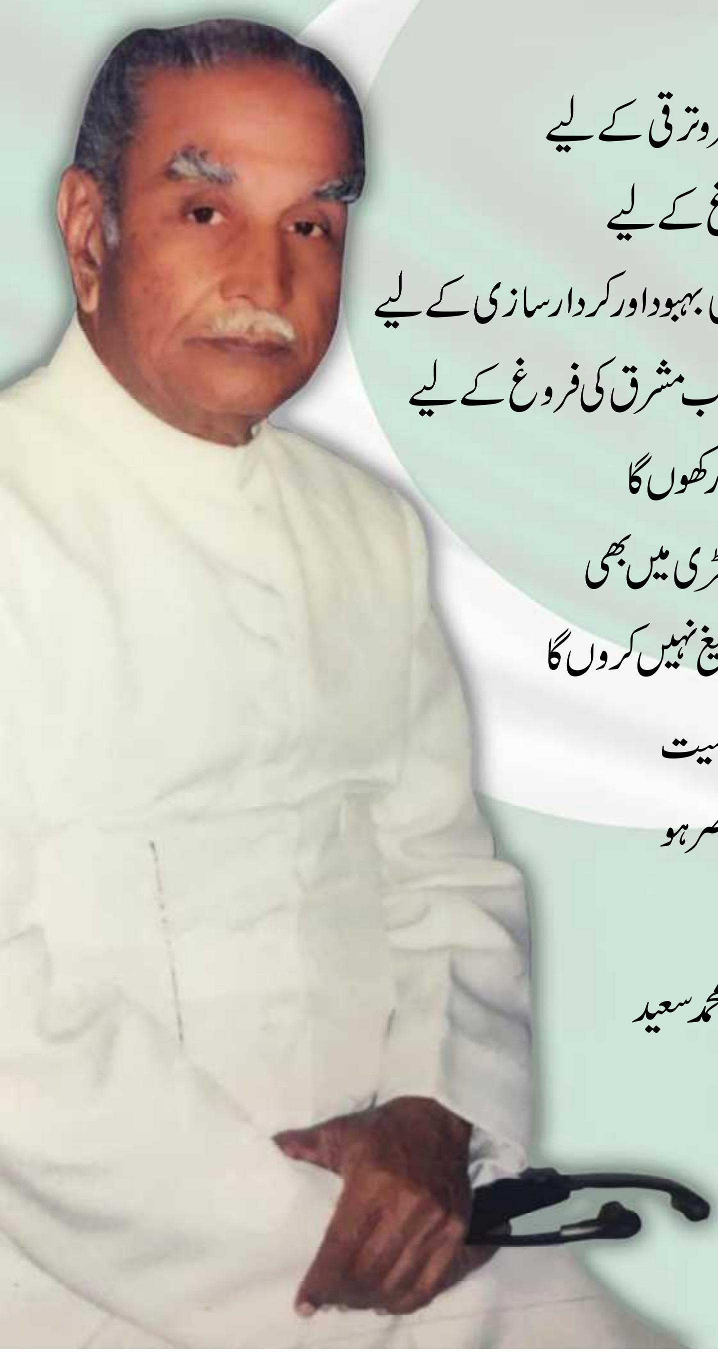

.... پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے
علم و آگہی کے فروغ کے لیے
پاکستانی نونہالوں کی بہبود اور کردار سازی کے لیے
حکمت و دانش اور طب مشرق کی فروغ کے لیے
اپنی جدوجہد جاری رکھوں گا
مشکل سے مشکل گھڑی میں بھی
کسی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا
اللہ تعالیٰ پاکستان سمیت
ہم سب کا حامی و ناصر ہو

شہید پاکستان حکیم محمد سعید

سعدیہ

آپ کے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں

پاکستان اور اس کے نونہال

مسلسل اشاعت کا ٦٧ واں سال

سن آغاز ١٩٥٣ء

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

جنوری ٢٠٢٠ء

جمادی الاوّل ١٤٤١ ہجری

شمارہ نمبر ١ - جلد ٦٨

صدرِ مجلس

سعدیہ راشد

مدیر اعلا

محمد سلیم مغل

معاون مدیر

سلیم فرّخی

کمپوزنگ

محمد اکرم خان

١٦ ویں منزل، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ،
پی ای سی ایچ ایس بلاک ٢، کراچی۔

فون: 021-38244000, 38241611 Ext. 1611

ای میل: hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ: www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ادارۂ سعید: www.hakimsaid.info

فیس بک پیج: /hamdardfoundationpakistan

پبلشر سعدیہ راشد نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر
ادارۂ مطبوعات ہمدرد، ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیرِ اہتمام شائع کیا گیا۔

بہ یاد

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید
بانی سرپرست

مسعود احمد برکاتی مرحوم
مدیرِ اوّل

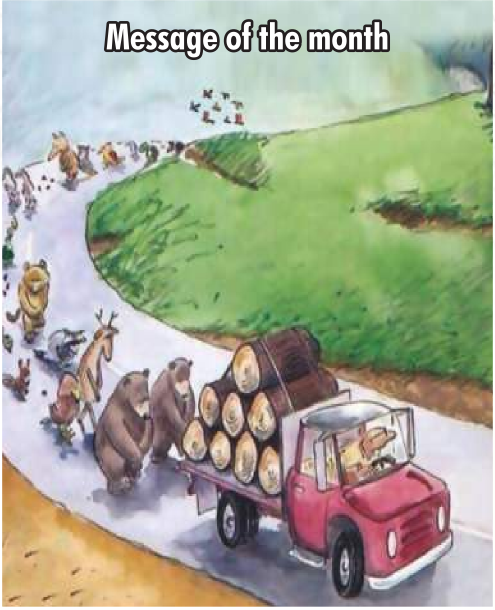

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی صفحات کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔

قیمت خاص نمبر ٨٠ رُپے — قیمت عام شمارہ ٥٠ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ٨٠٠ رُپے — سالانہ (عام ڈاک سے) ٦٠٠ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ٥٠٠ رُپے — سالانہ (غیر ممالک سے) ٧٠ امریکی ڈالر

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک
ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی۔ VPP بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

اس شمارے میں

کیا اور کہاں؟

جنوری ۲۰۲۰ء

خدا توفیق دے جس کو (نظم)	سلیم کوثر	۶
جاگو جگاؤ	حکیم محمد سعید	۸
پہلی بات	سلیم مغل	۹
روشن خیالات	ننھے گل چیں	۱۰
عظیم قائد	مطلوب الحسن سید	۱۱
جھوٹ (نظم)	تلوک چند محروم	۱۳
شکریہ	نذیر انبالوی	۱۵
بچوں کے بھوت	سلیم انور عباسی	۲۱
لائق نالائق	قراۃ رانا	۲۴
ہوگئی بات صاف اچھا ہے (نظم)	احمد حاطب صدیقی	۲۵
آخری انسان	تفسیر حیدر تفسیر	۲۷
نونہال سیرت کانفرنس	ادارہ	۳۳
ٹماٹر (نظم)	کلیم چغتائی	۴۱
شین شرارت	ننھے مزاح نگار	۴۳
سفر نامۂ امریکا	سلیم مغل	۴۷
گربہ کشتن، روزِ اوّل	ڈاکٹر توصیف تبسم	۵۲

15 شکریہ

21 بچوں کے بھوت

41 ٹماٹر (نظم)

ایثار کا پیکر	رابعہ فاروق	۵۷
شہیدِ پاکستان اپنے اقوال کی روشنی میں	راؤ جی	۶۱
آزاد پرندہ	جاوید اقبال	۶۵
بِھن بِھن پَیں پَیں (نظم)	ڈاکٹر توصیف تبسم	۶۹
نونہال مشاعرہ	خوش ذوق نونہال	۷۱
نونہال خبرنامہ	س۔ف	۷۲
انعامات بلاعنوان کہانی	ادارہ	۷۴
نونہال مصور	ننھے فن کار	۷۶
وہ ایک مکان	عائشہ تنویر	۷۸
معلومات افزا۔۲۸۹	س۔ف	۸۴
نیا سال مبارک ہو	غلام حسین میمن	۸۷
جوابات معلومات افزا۔۲۸۷	ادارہ	۹۰
آدھی ملاقات	نونہال پڑھنے والے	۹۲
بلاعنوان انعامی کہانی	فریحہ ابتسام	۹۷
نام بوجھیے	سلیم فرخی	۱۰۷
علم دریچے	نکتہ داں نونہال	۱۱۳
نونہال ادیب	لکھنے والے نونہال	۱۱۷
نونہال لغت	ادارہ	۱۲۸

ایثار کا پیکر 57

آزاد پرندہ 65

بِھن بِھن پَیں پَیں (نظم) 69

وہ ایک مکان 78

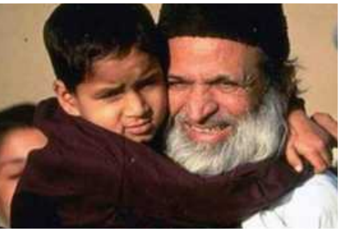

خدا توفیق دے جس کو

سلیم کوثر

خدا توفیق دے جس کو ، وہی عزت کماتا ہے
فضا تبدیل کرتا ہے ، دلوں میں گھر بناتا ہے

اُسے فرصت نہیں خود اپنے سائے سے بھی ملنے کی
مگر وہ زندگی بھر دوسروں کے کام آتا ہے

یہ پرچھائیں ہے کس کی جو کبھی ظاہر نہیں ہوتی
یہ سایا کس کا ہے ، سورج کو جو سر پر سجاتا ہے

یہ بڑھیا کون ہے جھاڑو لگاتی ہے جو گلیوں میں
یہ لڑکا کون ہے جو سارا دن کچرا اُٹھاتا ہے

تھکے ہارے ہوئے لوگوں کو شاید نیند آجائے
یہ بابا کون ہے جو رات بھر سیٹی بجاتا ہے

یہ پیاسا کون ہے جو آتے جاتے ہر مسافر کو
سبیلِ راہ میں بیٹھا ہوا پانی پلاتا ہے

اُسے سڑکوں پہ چلنے کی سہولت کیوں نہیں ملتی
جو گہری دھوپ کی وردی میں یہ سڑکیں بناتا ہے

تعلق ہی نہیں ماحول کی خوشبو سے جب اس کا
تو پھر یہ کون ہے جو صرف اپنا حق جتاتا ہے

سلیم اس کو کسی نے بھی نہیں دیکھا یہاں اب تک
جو روز آتا ہے ، بچوں میں کھلونے بانٹ جاتا ہے

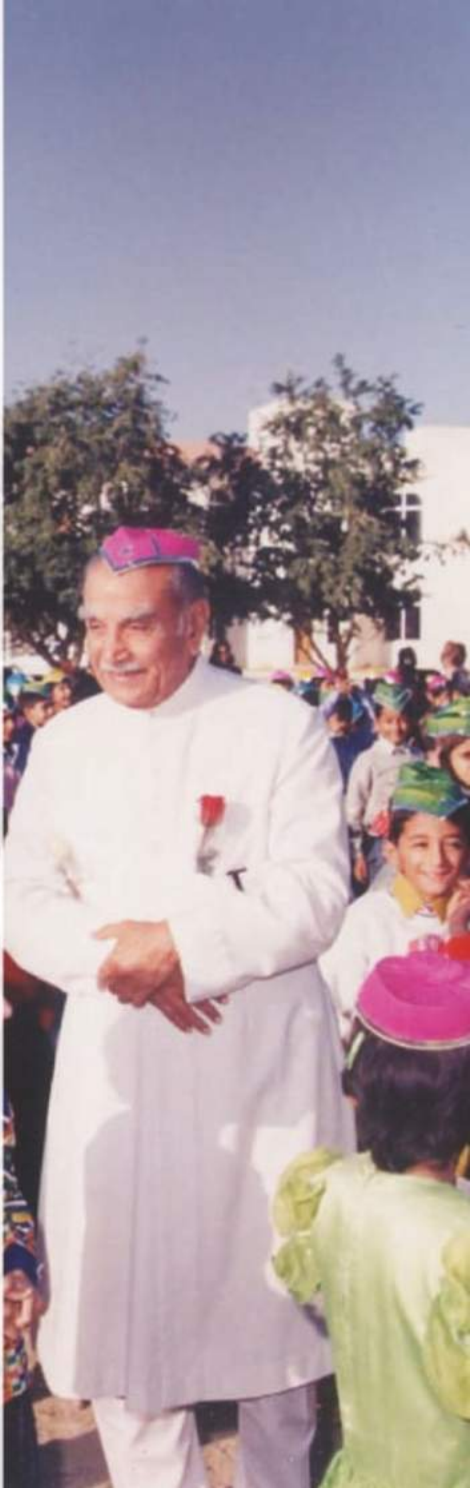

جاگو جگاؤ

نونہال دوست، شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھی جانے والی باتیں

جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ مسلمان مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اسی طرح ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے محبت بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ایک مسلمان دوسرے سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ بھی ایمان والا ہے اور وہ بھی اللہ کا ماننے والا ہے۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ جب دو آدمی ساتھ سفر کرتے ہیں اور جب ان کی منزل اور ان کا راستہ بھی ایک ہی ہوتا ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال رکھنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کی منزل بھی ایک ہے۔ ان کا راستہ اور طریقہ بھی ایک ہی ہے۔

وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو سچا مانتے ہیں اور دنیا میں بھلائی پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ دنیا امن وسکون کا گہوارہ ہو۔ دنیا کا ہر انسان آرام سے زندگی گزارے اور تمام انسان ایک دوسرے کی عزت کریں۔ ایسی صورت میں مسلمان مسلمان کو تو آپس میں ایک جان دو قالب ہونا ہی چاہیے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: ''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہوگے، جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور ایمان نہیں لاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ میں تم کو ایسی بات نہ بتادوں کہ تم اس پر عمل کرو تو آپس میں محبت ہو جائے۔ وہ بات یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام پھیلاؤ۔''

سلام کرنے کا مطلب ہے سلامتی چاہنا۔ جب بھی دو مسلمانوں کا آمنا سامنا ہو، ان کو چاہیے کہ سلام کریں۔ اس طرح حضورؐ کے ارشاد کے مطابق آپس میں محبت بڑھے گی اور بھائی چارہ پیدا ہوگا۔

(ہمدرد نونہال جولائی ۱۹۸۹ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم مغل

ایک روز مجھے کچھ پریشان دیکھا تو پوچھنے لگیں، کیا ہوا؟ میں نے اپنا قصّہ کہہ سنایا۔ کسی کے ناروا سلوک کی بات تھی، جس پہ میں کچھ افسردہ سا تھا۔ کہنے لگیں ایک مشورہ دیتی ہوں جو ہم نے ابا جی سے سیکھا، پھر کہنے لگیں Kill him with Kindness ''جو تمھیں تکلیف پہنچائے اسے اپنے اچھے طرزِ عمل سے سوچنے پر مجبور کردو۔'' یہ ایک خوب صورت بات تھی جو دل میں اُتر گئی۔

ایک روز یوں ہی بات کرتے کرتے میرے لیے ان کے منھ سے لفظ 'تم' نکلا اور اس کے ساتھ ہی بے اختیار ''سوری سوری، معذرت معذرت'' کہنے لگیں۔ ''میں نے آج آپ کو 'آپ' کے بجائے 'تم' کہہ دیا۔'' انھیں معذرت کرتے دیکھا تو میں بھی نادم سا ہوگیا۔ میں نے کہا: ''آپ بڑی ہیں، باس ہیں، میں بہت چھوٹا ہوں۔ آپ کو چاہیے کہ مجھے 'تم' کہہ کر ہی مخاطب کیا کریں، مگر ان کا جواب یہی تھا: ''ابا جی نے ہماری تربیت 'تم' کے ساتھ نہیں کی، میں 'تم' کیسے کہہ دوں؟''

کوئی دن اور کوئی ملاقات بھی تو ایسی نہیں جب میں ان کی گفتگو یا عمل میں حکیم محمد سعید کو نہ دیکھتا ہوں۔ ہر روز ایک خوب صورت بات، ایک اچھا قول، ایک اچھی عادت یا کچھ اور۔ سچ یہ ہے کہ میرا دفتر میری تربیت گاہ بن گیا ہے۔ یہاں آکر مجھ پر کھلا کہ حکیم محمد سعید کتنے بڑے آدمی تھے۔ کتنے منکسر المزاج، کتنے سادہ، کتنے مصروفِ عمل، کتنے دور بیں، کیسی خدا خوفی اور کیسا توکل۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے مجھ پر اُن کی شخصیت کی نئی نئی پرتیں کھل رہی ہیں۔ ایسا لگتا ہے، اقبال نے انھی کے لیے کہا تھا: ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''

ایک روز دفتر کے ایک ساتھی نے بتایا، دفتر کے کسی افسرِ بالا نے اپنے ایک اور ہم منصب سے بُرا لہجہ اختیار کیا۔ حکیم صاحب کو پتا چلا تو اس دل گرفتہ شخص کے پاس پہنچے اور قصوروار کی طرف سے معافی مانگ لی۔ پھر کہنے لگے میری کوئی 'انا' نہیں، آپ بھی اپنی انا کو مار دیجیے۔ یہ بڑے لوگ یونہی تو بڑے نہیں ہوجاتے کوئی جادو تو ہوتا ہے ان کے پاس۔ وہ جادو بھلا کردار کی بلندی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کا سوواں یومِ ولادت ۹ / جنوری ۲۰۲۰ء ہے۔ کتنی خوب صورت بات ہوگی اگر ہم اس روز ان کی کسی بڑی خوبی کو اپنی ذات کا حصہ بنانے کا عہد کرلیں۔ وقت کی پابندی، انا کی نفی، درگزر کرنے کی عادت، کسی کو پڑھانے، کسی کے کام آنے، کسی کے زخم پر مرہم رکھنے کی کوئی خوب صورت بات ...... کچھ تو۔

روشن خیال

تجربے اور دانائی کا حاصل، علم و حکمت کی باتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایمان کے دو حصے ہیں۔ آدھا صبر، آدھا شکر۔

سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

حضرت علیؓ

اعمالِ خیر سے بڑھ کر کوئی تجارت نہیں۔

اُمیمہ ریان طارق، نارتھ کراچی

ابنِ سینا

''انتقام'' ایک غیر انسانی لفظ ہے۔

دعا معطر، بلدیہ ٹاؤن

محمد بن قاسم

دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اندرونی انتشار کی وجہ سے ڈوب جاتی ہیں۔

محمد عمر امتیاز، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

مخاطب کرنے والے کے انداز سے لوگ اس کی تہذیب کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

ماہ نور اشعر، دستگیر

گوتم بدھ

بدکلامی جانوروں تک کو پسند نہیں۔

محمد غازی، پشاور

ارسطو

عقل مند آدمی کے دماغ میں بھی ایک جگہ ایسی ہے، جہاں بے وقوفی رہتی ہے۔

وجاہت اللہ، گوجرانوالہ

بقراط

اپنی خامیوں کا احساس کامیابی کی کُنجی ہے۔

لبنیٰ آصف، کوٹری

شیکسپیئر

اگر زندگی میں کام کے بجائے صرف کھیل ہوتا تو وہ کھیل بھی اتنا ہی مشکل ہوتا جتنا کام کرنا ہے۔

ابراہیم جان، اٹک

برنارڈ شا

خاموشی نفرت کے اظہار کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔

سید علی رضا، فیصل آباد

عظیم قائد

قائداعظم کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ

مطلوب الحسن سید

قائداعظم کے پرائیویٹ سیکریٹری جناب مطلوب الحسن سید نے قائداعظم کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا: اُنھیں اُصول کی بات دل و جان سے پسند تھی۔ یہاں تک کہ وہ اُصول کے معاملے میں اپنے ملازمین تک کی ترش باتیں سن کر بدمزہ نہ ہوتے تھے۔ ان کا ایک ملازم تھا عبدالکریم، لمبا تڑنگا تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ قائداس کی تعریف کیا کرتے تھے۔

کہتے تھے: ''بڑے سلیقے سے کام کرتا ہے۔''

ایک روز میں اُن کے پاس تھا۔ کچھ خط و کتابت کا سلسلہ تھا۔ اتنے میں عبدالکریم سونے کی ایک گھڑی لے کر آیا اور اس نے بڑی بدتمیزی سے قائداعظم کے سامنے تقریباً پٹختے ہوئے کہا:

''دیکھو جی! آئندہ کبھی ایسی حرکت مت کرنا۔ تم نے کوٹ میں چھوڑ دی تھی۔ میں دھوبی کو کوٹ دے دیتا تو میرا نام بدنام ہوتا۔''

وہ قائداعظم کو ڈانٹ کر چلا گیا تو میں نے کہا: ''بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔''

مگر قائداعظم بالکل خفا نہیں ہوئے، کہنے لگے:

''کیوں، بدتمیز کیوں ہے؟ اس نے میری غلطی پر سرزنش کی ہے تو اس میں بدتمیزی کا کیا سوال ......؟''

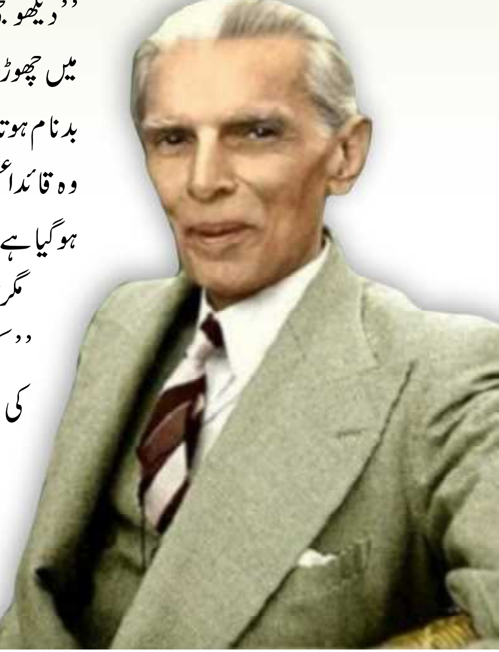

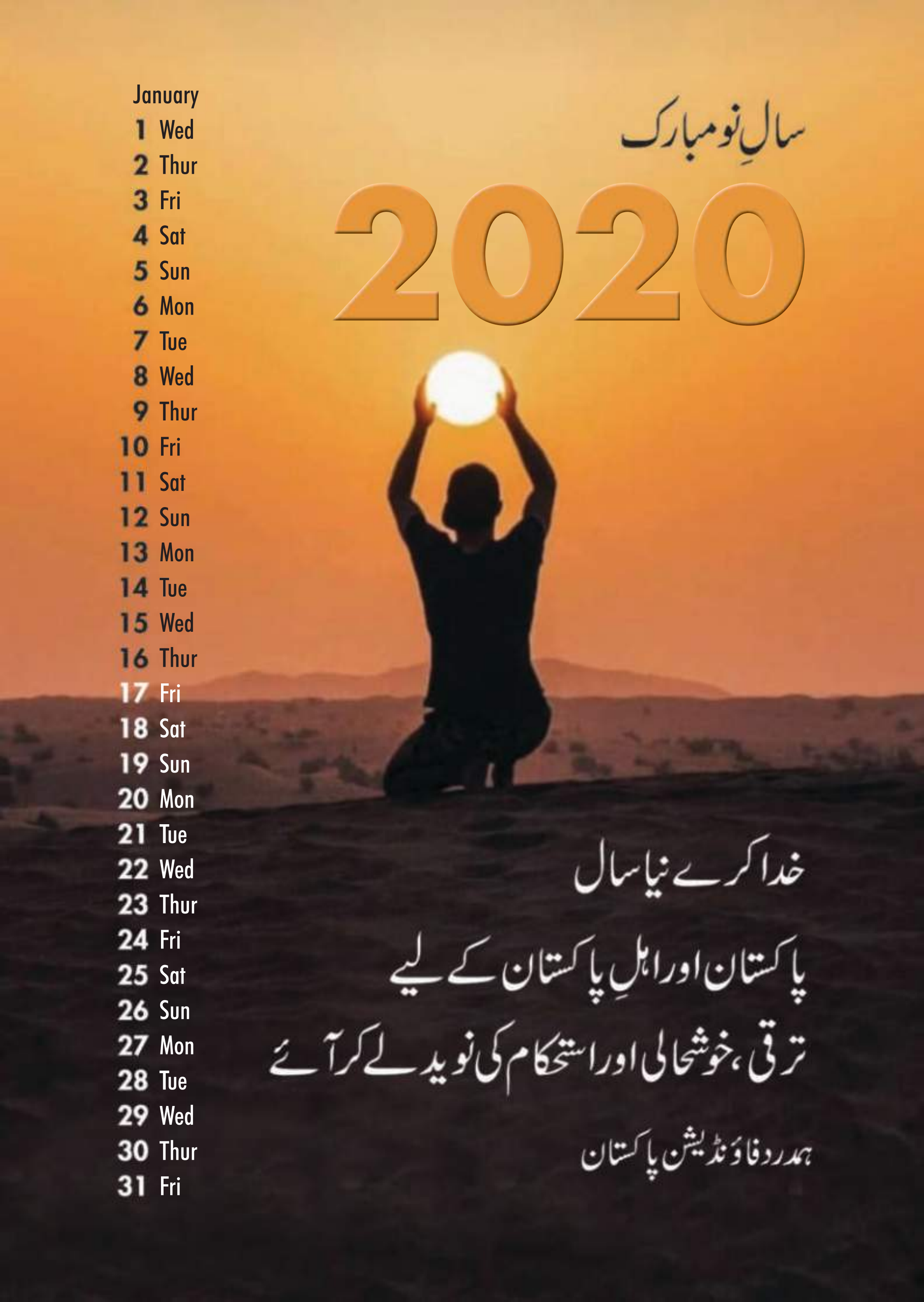

January

1 Wed
2 Thur
3 Fri
4 Sat
5 Sun
6 Mon
7 Tue
8 Wed
9 Thur
10 Fri
11 Sat
12 Sun
13 Mon
14 Tue
15 Wed
16 Thur
17 Fri
18 Sat
19 Sun
20 Mon
21 Tue
22 Wed
23 Thur
24 Fri
25 Sat
26 Sun
27 Mon
28 Tue
29 Wed
30 Thur
31 Fri

سالِ نو مبارک

2020

خدا کرے نیا سال

پاکستان اور اہلِ پاکستان کے لیے

ترقی، خوشحالی اور استحکام کی نوید لے کر آئے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

جھوٹ

تلوک چند محروم

جس بات پہ ہم منھ کھولیں گے
سچ ، جھوٹ کو پہلے تولیں گے
سچے رستے پہ ہولیں گے
کیوں جھوٹے موتی رَولیں گے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

جس بات سے ہو ناراض خدا
ماں باپ الگ ہوں جس سے خفا
رنجیدہ ہو اُستاد جُدا
اس بات سے ہم کو حاصل کیا
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

کرتا ہے جھوٹ پہ کون یقیں
سب جھوٹ پہ کرتے ہیں نفریں
جھوٹے کی قدر نہیں ہے کہیں
یہ سچ ہے سانچ کو آنچ نہیں
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

گو سچ پہ جان بھی جاتی ہو
گو موت کھڑی دھمکاتی ہو
پتھر کے نیچے چھاتی ہو
اور سانس اُلٹ کر آتی ہو
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچ، سچ ہے، جھوٹ ہے جھوٹ سدا
ذلت انجام ہے جھوٹے کا
اک بار جو ثابت ہو جھوٹا
اس کی دنیا میں وقعت کیا
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچ بات کا ہم کو سہارا ہے
سچ ، جان سے ہم کو پیارا ہے
دشمن یہ جھوٹ ہمارا ہے
دشمن کو ہم نے مارا ہے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچے کی عزت ہوتی ہے
جھوٹے کی ذلت ہوتی ہے
سچے پر رحمت ہوتی ہے
جھوٹے پر لعنت ہوتی ہے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

دی سچی زبان خدا نے ہمیں
توبہ! توبہ! کیوں جھوٹ کہیں
جو جھوٹ کہیں ، وہ خوار پھریں
یارب! ہم جھوٹ سے دور رہیں
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

محرومؔ اُن سے سچ کہتا ہے
جو سچا ہے ، خوش رہتا ہے
ہنس کھیل کے رہتا سہتا ہے
جو جھوٹا ہے غم سہتا ہے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

شکریہ

نذیرانبالوی

دونوں کی پہلی ملاقات مصوری کے ایک مقابلے میں ہوئی تھی۔ دونوں اپنے اسکول کی نمائندگی کرتے ہوئے مقابلے میں حصہ لینے کے لیے آئے تھے۔

’’کب سے مصوری کررہے ہو؟‘‘ سمیر نے گفتگو کا آغاز کیا۔

’’یہی کوئی چار سال سے، یہ دیکھو میری بنائی ہوئی تصویریں۔‘‘ عبداللہ نے اپنا تصویری البم سمیر کی طرف بڑھایا۔

سمیر نے تیزی سے البم کے اوراق پلٹنا شروع کیے۔ تصاویر واقعی شان دار تھیں۔

’’واہ تم تو بہت اچھے مصور ہو۔‘‘ سمیر نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

’’کیا تم اپنا البم نہیں لائے؟‘‘ عبداللہ نے اپنا تصویری البم واپس لیتے ہوئے سوال کیا۔
’’نہیں، آئندہ کبھی ملاقات ہوئی تو اپنی مصوری کے نمونے تمھیں ضرور دکھاؤں گا۔‘‘ یہ کہہ کر سمیر ہال کی طرف بڑھا، جہاں مصوری کے مقابلے کا آغاز ہونے والا تھا۔
مقابلے کے لیے بچوں کو قدرتی مناظر ڈرائنگ کرنے کو کہا گیا تھا۔ بچوں نے قدرتی مناظر کو کینوس پر بنانا شروع کیا تو نگران ہال میں چلتے پھرتے ہوئے بچوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ سب بچے نہایت توجہ سے قدرتی مناظر بنانے میں مصروف تھے۔ بچوں نے مقررہ وقت میں اپنی اپنی تصاویر نگران کے حوالے کیں۔ مقابلے کے بعد سبھی بچوں کو مزے دار جوس پلائے گئے۔ سمیر نے جوس پیتے ہوئے کہا: ’’میں نے قدرتی منظر اتنے خوب صورت انداز میں بنایا ہے کہ شاید ہی کسی نے ایسا منظر بنایا ہو۔ دیکھنا اول انعام تو مجھے ہی ملے گا۔‘‘ اس کے لہجے میں یقین سے زیادہ تکبر نمایاں تھا۔
’’اچھا تو یہ بات ہے، دیکھتے ہیں نتیجہ کیا آتا ہے۔‘‘ عبداللہ نے برش بیگ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔
’’نتیجہ کیا آئے گا، اس کا مجھے علم ہے، کون ہے جو یہاں میرا مقابلہ کر سکے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے سمیر کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ پہلا انعام حاصل کر رہا ہے۔ عبداللہ خاموشی سے جوس پیتا رہا۔ طلبہ کے ساتھ آئے ہوئے اساتذہ ایک کمرے میں بیٹھے فیصلے کے منتظر تھے۔ ایک گھنٹے بعد اعلان کیا گیا کہ مصوری کے مقابلے میں حصہ لینے والے بچے اور ان کے ہمراہ آنے والے اساتذہ ہال میں آ جائیں۔ کچھ ہی دیر بعد بچے اور اساتذہ ہال میں موجود تھے۔ بچوں کے دل تیزی سے دھک دھک کر رہے تھے۔ جیوری میں سے ایک ممبر کو نتیجہ بتانے کے لیے اسٹیج پر بلایا گیا۔ ممبر نے نتیجہ سنانے سے پہلے سب بچوں کی تعریف کی۔ اب انعام یافتہ بچوں کے ناموں کا اعلان کا مرحلہ تھا۔
’’تیسرا انعام حاصل کیا ہے قائداعظم ہائی اسکول کے طالب علم سمیر احمد نے۔ پورا ہال تالیوں سے

گونجنے لگا۔ دوسرے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں رضا حسین، ان کا تعلق روشن اسکول سے ہے اس بار پہلے سے زیادہ تالیاں بجیں۔ اب پہلے انعام کا اعلان ہونا تھا سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، سب کی نظریں اسٹیج پہ اور پورا دھیان اس اعلان کی طرف تھا جو بس ہونے ہی تھا اور پہلا انعام حاصل کیا ہے نونہال اسکول کے طالب علم عبداللہ نے۔''

اس اعلان کے ساتھ ہی نعرہ ہائے داد و تحسین اور تالیوں کا شور، ہال کافی دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ سمیر تیسرا انعام ملنے پر شور مچاتا رہا، مگر اس کی آواز تالیوں کے شور میں کہیں گم ہو کر رہ گئی۔ اس کے استاد بلال نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ فوراً بولا: ''انصاف نہیں ہوا، اول انعام کا حق دار میں ہی ہوں۔''

عبداللہ نے اس سے بات کرنا چاہی، مگر سمیر نے اُسے دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔ ان کے ساتھ آئے ہوئے اساتذہ نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کروایا۔

سمیر کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُسے تیسرا انعام ملا ہے۔ جو بھی اس کی بنائی تصاویر دیکھتا تو تعریف کیے بغیر نہ رہتا۔ وہ بار بار یہی کہے جا رہا تھا کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ امی جان نے اُسے سمجھایا کہ مقابلہ کوئی بھی ہو، اس میں ہار جیت تو ہوتی ہے۔ تم محنت جاری رکھو اور ہمیشہ اچھا سوچو۔

دو ماہ بعد ۹ / جنوری کو ایک بڑے تعلیمی ادارے نے بھی مصوری کے ایک بڑے مقابلے کا اعلان کیا۔ اس مرتبہ بھی دونوں اپنے اپنے اسکول کی نمائندگی کرتے ہوئے ہال کے باہر کھڑے تھے۔ عبداللہ تو سمیر سے بات کرنا چاہتا تھا، مگر سمیر کوئی بات کیے بغیر ہال میں داخل ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھے تھے۔ سمیر نے پیچھے بیٹھے عبداللہ کو گھورتے ہوئے کہا: ''اس مرتبہ میں دیکھتا ہوں کہ تم کس طرح پہلا انعام حاصل کرتے ہو۔''

عبداللہ نے سمیر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کام سے کام رکھا۔ ایک لمحے کو عبداللہ نے

پلٹ کر دیکھا تو سمیر اپنی عینک کے شیشے صاف کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں اچانک عینک سمیر کے ہاتھ سے چھوٹی اور فرش پر جا گری۔

بے اختیار اس کے منھ سے نکلا: ''ہائے میری عینک کے شیشے ٹوٹ گئے۔ اب میں تصویر کیسے بناؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے سمیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کچھ دیر بعد مقابلہ شروع ہو گیا۔ سمیر کو صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے پختہ یقین تھا کہ اب وہ اس مقابلے میں کوئی پوزیشن حاصل نہیں کر پائے گا۔ عین اس وقت اسے حیرت کا جھٹکا لگا جب عبداللہ نے اپنی عینک اس کی طرف بڑھائی اور کہا: ''میری عینک لگا کر دیکھو، عین ممکن ہے تمھیں اس سے کچھ بہتر نظر آ جائے۔''

سمیر نے عینک پکڑتے ہوئے پوچھا: ''مگر تم کیا کرو گے؟''

''میں کچھ کر لوں گا۔ تم عینک لگاؤ اور تصویر بناؤ، وقت کم ہے۔'' عبداللہ کے اصرار پر سمیر نے عینک اپنی ناک پر دھری تو اسے یوں لگا جیسے یہ عینک اسی کی ہو۔ چوں کہ عینک کا نمبر ایک سا تھا اس لیے سمیر کو ہر چیز صاف اور واضح دکھائی دے رہی تھی۔ عبداللہ بھی دھندلے منظر میں تصویر بنانے لگا۔ وقت ختم ہونے پر بچے تصاویر نگران کے سپرد کر کے ہال سے باہر چلے گئے۔ اب انھیں نتیجے کا انتظار تھا۔ سمیر تو عبداللہ کا شکریہ ادا کرتے نہ تھکتا تھا۔ نتیجہ آیا تو سمیر نے اول انعام حاصل کیا تھا۔ جب وہ انعام لینے کے لیے اسٹیج پر گیا تو اس نے عبداللہ کے عینک دینے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: ''میرا خیال ہے اول انعام کا حق دار میں نہیں، عبداللہ ہے۔'' سمیر نے پورا واقعہ دہرایا۔ جسے سن کر پورا ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا۔

سمیر نے نہایت جذباتی انداز میں اعلان کیا کہ میں یہ انعام اپنے دوست عبداللہ کو پیش کرتا ہوں۔''

عبداللہ تالیوں کی گونج میں اسٹیج پر آیا اور آتے ہی اس نے سمیر کو گلے لگا لیا۔

تقریب کے مہمانِ خصوصی نے عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھا: ''میں ایک کم عمر طالب علم سے ایسی نیکی کی توقع کم ہی کرتا ہوں، سچ سچ بتاؤ تمھیں اس نیکی کا خیال کیسے آیا؟''

عبداللہ نے ایک نظر ہال میں موجود طلبا اور اساتذہ پہ ڈالی اور پُراعتماد لہجے میں کہا: ''سر! دانائی کی یہ باتیں اس شخص سے سیکھیں جسے اپنا رول ماڈل سمجھتا ہوں، جس کا قول ہے کہ ''ہر روز نیکی کا کوئی ایک کام ایسا ضرور کرو، جس سے دوسرے کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل جائے۔''

مہمانِ خصوصی نے پھر پوچھا کہ کوئی نام بھی تو ہوگا اس شخصیت کا؟''

عبداللہ نے بہ مشکل تمام ابھی ......شہیدِ پاکستان ......ہی کہا تھا کہ پورا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔ عبداللہ نے جب ''حکیم محمد سعید'' کہا تو اس کی آنکھوں سے محبت اور خوشی کے دو آنسو ٹپکے......سمیر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

ہوشیار! اب انگوٹھے کی لکیریں آپ کا سارا کچا چھٹا کھول سکتی ہیں
یہ موصوف بھی زیرِ عُتاب ہیں۔ انہیں باہر نکالنے میں مدد تو کیجیے

بچوں کے بھوت

تحریر: ڈاکٹر خالد نورانی

ترجمہ: سلیم انور عباسی

جب شور غل کی آواز ایڈنا رگلیس (EDNA RUGLESS) کے گھر میں تیز ہوگئی، تب اس نے چلاّ کر کہا: ''بچو! شور نہ کرو۔ تمھارے شور سے میرا دھیان بٹ رہا ہے، پلیز خاموشی سے کھیلو اور مجھے کام کرنے دو۔'' یہ سنتے ہی شور غل فوراً ختم ہوگیا۔

مسز رگلیس کو ان بچوں سے بڑی محبت ہے۔ بچوں اور اس میں کئی مشترکہ باتیں ہیں۔ یہ انتہائی غیر معمولی بچے ہیں، کیوں کہ یہ دنیا میں زندہ نہیں ہیں، بلکہ ان کی وفات کئی برس پہلے ہوچکی ہے۔ ان بچوں کو مسز رگلیس کے اس تین سو سالہ پرانے گھر کی سیڑھیوں اور ہال میں کھیل کود نا بہت پسند

ہے۔ رگلیس کا یہ گھر انگلینڈ کے علاقے ڈیوون (DEVON) میں ہے۔ کبھی کبھی وہاں چر چر کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے بچے کسی پرانے جھولے میں جھول رہے ہوں۔
مسز رگلیس کہتی ہیں:
''میں ان بچوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے یہ میرے اپنے بچے ہوں۔ میں نے ان سے کبھی ڈر محسوس نہیں کیا۔ ان بچوں کی آوازوں نے مجھے کبھی پریشان نہیں کیا، مگر ایک دن ان بچوں کی آوازیں اپنے سونے والے کمرے سے باہر جاتے ہوئے سنیں، پھر تھوڑے وقت کے بعد چاروں طرف شور وغل کی آوازیں آنے لگیں۔ مجبوراً مجھے چلّاتے ہوئے کہنا پڑا کہ شور بند کرو، یہ سنتے ہی وہ شور شرابہ فوراً بند ہوگیا۔ مجھے پتا ہے کہ بچوں کو سدھارنے کے لیے کبھی کبھی انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔''
مسز رگلیس کا شوہر ''بل'' ایک ریٹائرڈ انجینئر ہے۔ وہ خاندان جب پہلی بار اس پرانے گھر میں نقل مکانی کرکے آیا تو ان کی ملاقات فوراً چھوٹے بچوں کے بھوتوں سے ہوگئی۔ ان بچوں کی آوازیں ہمیشہ ایک مخصوص کمرے سے آتی تھیں۔ ان کا پالتو کتا اور بلی کبھی اس کمرے میں نہ جاتے۔

مسز رگلیس کی شناسا ایک عورت پُراسرار صلاحیتوں کی مالک تھی۔ مسز رگلیس نے اسے بلوایا۔ اس نے صرف اتنا پوچھا کہ یہاں وہ کوئی غیر معمولی بات محسوس کر رہی ہے، تو اس عورت نے چاروں طرف جانچ پڑتال کرکے اسے بتایا کہ اس گھر میں دو چھوٹی لڑکیوں کے بھوت رہ رہے ہیں، جن

کی عمریں چار اور پانچ برس ہیں اور ان کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں۔ دونوں کو اس گھر میں کھیل کود کرتے ہوئے بہت مزہ آتا ہے۔ یہ دونوں بچیاں آپس میں سہیلیاں تھیں۔ ایک روح نے بہت لمبے کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب کہ دوسری روح نے عام کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

مسز رگلیس نے وہاں کے مقامی پادری کو یہ بات بتائی اور اسے اس گاؤں کے گرجا گھر میں موجود رکارڈ کی جانچ پڑتال کرنے کے لیے درخواست کی۔ گرجا گھر کے رکارڈ سے پتا چلا کہ یہ دو لڑکیاں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک کا نام ایلزبتھ تھا، جس کی موت ۱۸۴۴ء میں ہوئی، جب کہ دوسری کا نام این (ANN) تھا، جس کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا تھا۔ اس پادری نے اسے بتایا کہ ممکن ہے کہ دونوں بچے اس گھر میں بہت خوش ہوں، کیوں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی انھوں نے گھر نہیں چھوڑا، حال آنکہ ان دونوں کے فوت ہونے میں ۵۸ سال کا وقفہ تھا۔ اس کے باوجود یہ دونوں بچے کھیل کود کرنے والے ساتھی تھے۔

مسز رگلیس کہتی ہے: ''ان بچوں کی روحوں کی موجودگی کا سن کر پہلے تو میں ذراسی پریشان ہوگئی، مگر اب سمجھتی ہوں کہ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ایسی پیاری لڑکیوں کے بھوت میرے ساتھ رہتے ہیں۔''

لائق نالائق

قراۃ رانا

استاد نے اسے گھور کر دیکھا اور شدید غصے میں بولا: ''بل ! تم میری بات کان کھول کر سن لو، تم زندگی میں زیادہ سے زیادہ ٹرک ڈرائیور بن سکتے ہو۔'' پوری کلاس نے قہقہہ لگایا اور وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گیا۔

یہ ہارورڈ یونی ورسٹی میں اس کا آخری دن تھا۔ اسے کلاس کا ماحول اور استاد کے پڑھانے کا طریقہ بوجھل کر دیتا تھا۔ اب اس کا زیادہ وقت سیائل جھیل کے کنارے اپنے دوست پال ایلن کے ساتھ گزرتا تھا، وہ بھی اس کی طرح لمبی منصوبہ بندی کا ماہر تھا۔ وہ دونوں ایسی دنیا کے بارے میں سوچتے تھے، جو ابھی تخلیق کے مراحل میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

ایک دن بل، ایلن کے پاس گیا اور بولا: ''آؤ پال! ہم اس دنیا کی بنیاد رکھیں، جو آج تک صرف ہمارے ذہن میں تھی۔ پال ایلن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ۱۹۷۵ء میں بل نے اپنے دوست ایلن کے ساتھ مل کر دنیا کی پہلی سافٹ ویئر کمپنی بنائی اور اس کا نام مائیکروسافٹ رکھا۔ اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے مائیکروسافٹ ریاست واشنگٹن کی سب سے بڑی کمپنی بن گئی۔

جی ہاں! اس شخص کا نام بل گیٹس ہے۔ یہ انسانی تاریخ کا واحد شخص ہے جو اڑتیس برس کی عمر میں دنیا کا امیر ترین شخص بنا۔ بل گیٹس کا خیال تھا کہ ہارورڈ یونی ورسٹی کسی نہ کسی دن اپنے اس نالائق طالب علم پر فخر کرے گی۔ آنے والے دنوں میں اس کی بات سچ ثابت ہوئی اور ہارورڈ یونی ورسٹی کے گیٹ پر اس کے نام کی تختی لگ گئی۔

ہوگئی بات صاف

احمد حاطب صدیقی

ماریہ صاحبہ کی اک گُڑیا
اور ثوبی کا ایک گڈا تھا
اور دونوں میں چائے پر کل شام
ذکر رشتے کا ایسے ہوتا تھا

ثوبی (منہ بگاڑ کر):

ہونہہ! نہ اچھی ہیں عادتیں اِس کی
نہ مجھے کوئی خاص لگتی ہے
تم تو کہتی تھیں گڑیا ہنس مکھ ہے
یہ تو بالکل اُداس لگتی ہے
کب سے بالوں میں کی نہیں کنگھی
چٹیا دیکھو تو گھاس لگتی ہے
بات کرنے کا اِس کو ڈھنگ نہیں
یہ کہیں ایم اے پاس لگتی ہے؟
چائے گڈے کے کوٹ پر ڈھا دی
ایک دم بد حواس لگتی ہے
ناں جی! گڑیا نہیں ہے یہ کم سِن
یہ تو گڈے کی ساس لگتی ہے
اے ذرا کوک ووک منگواؤ
میرے گڈے کو پیاس لگتی ہے

ماریہ صاحبہ کی گڑیا کا
کھینچا ثوبی نے ایسا جب نقشہ
اُن کو آتا بھلا نہ کیوں غصہ
پر بڑے ضبط سے یہ فرمایا
اے بہن! یہ خوشی کا سودا ہے
ہوگئی بات صاف اچھا ہے
میری گڑیا تو خیر جیسی ہے
لاٹ صاحب یہ خود کہاں کا ہے؟
بھالو جیسی تو اِس کی صورت ہے
تُم تو کہتی تھیں بھولا بھالا ہے
مونچھیں دیکھو تو کتنی موٹی ہیں
سر بھی پیچھے سے تھوڑا گنجا ہے
کہیں افسر تو خیر کیا ہوگا
ففتھ میں فیل ہو کے بھاگا ہے
سب پتا چل گیا مجھے بھی اب
کسی ہوٹل کا یہ تو بیرا ہے
اس کی تنخواہ بس ذرا سی ہے
ٹِپ کے ملنے ہی پر گذارا ہے
ہاں اسے کوک بھی منگا دیں گے
دیکھ لو کس قدر ندیدہ ہے
اس نکھٹو کو گڑیا دینے سے
کنویں میں پھینک دینا اچھا ہے

جووطن بناکے چلے گئے - جوچمن سجاکے چلے گئے

آخری انسان

تفسیر حیدر تفسیر

وہ جدید زمینی لیبارٹری کا ایک نہایت کشادہ ہال تھا۔ ہال میں ہر طرف مشینیں اور سائنسی آلات نصب تھے۔ ڈاکٹر نور ہاتھ میں چند آلات پکڑے لیبارٹری سے منسلک اپنے چھوٹے سے خلائی جہاز میں لگے کمپیوٹرائز آلات کا جائزہ لے رہی تھی۔

آج اکتوبر کی ۲۳ تاریخ تھی اور سن ۴۰۰۰ء۔ باہر نکل کر انھوں نے لیبارٹری کی دیوار پر لگی ایک

بڑی اسکرین پر اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔تقریباً دو ہزار سال پہلے کسی مصور نے ہال کی دیواریں مریخ کی خیالی تصاویر سے آراستہ کی تھیں۔جن پر مریخ پر زندگی کا ۱۰۰۰ سالہ منصوبہ بہت خوب صورتی سے دکھایا گیا تھا۔انھوں نے اضطراری طور پر اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ نما ایک آلے کی اسکرین پر چند اُنگلیاں پھریں۔ان کے ماتھے کی شکنیں مزید گہری ہوگئیں۔وہ بے اختیار اپنے ہونٹ چبانے لگیں۔

''آپ ٹھیک ہیں......؟ مادام......!''ایک چھوٹا سا انسان نما روبوٹ ان کی جانب بڑھا۔

''ہاں......نہیں......ہاں میں ٹھیک ہوں۔''ڈاکٹر نور نے ماتھے پر سے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

''مادام! ہمیں چلنا چاہیے ورنہ بہت دیر ہوجائے گی۔ہمارے تمام ساتھی جا چکے ہیں۔''ٹام نے کہا۔

''ہم اپنی زمین کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔صرف یہ ہی ہمارا گھر ہے۔''ڈاکٹر نور نے میز پر پڑے گلوب کو گھماتے ہوئے کہا۔

''مریخ......عطارد......زہرہ یا کسی اور کہکشاں میں موجود کسی بھی سیارے پر ہم کہیں بھی جا سکتے ہیں۔زمین کی عمر اب چند دنوں سے زیادہ نہیں ہے۔''ٹام، سپاٹ لہجے میں بولا۔

''ٹام! زمین پر آکسیجن کی مقدار کتنی ہے؟''ڈاکٹر نور نے گھومنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مادام! کرۂ ارض پر آکسیجن کی مقدار 47 فی صد سے گھٹ کر 0.3 فی صد، سمندر میں 86 فی صد سے کم ہوکر 0.1، جب کہ کرۂ ہوائی میں 78 فی صد سے گھٹ کر 0.2 فی صد رہ گئی ہے اور ہماری لیب میں صرف 17 گھنٹے کی آکسیجن باقی ہے۔''ٹام نے ٹیبلٹ پر فہرست دیکھتے ہوئے کہا۔ڈاکٹر نور نے لرزتے ہاتھوں سے لیب میں لگے سورج مکھی کے پھول کو چھوا:''ہم زمین کو کھو چکے ہیں، ٹام!''

ٹام نے خالی نظروں سے ڈاکٹر نور کی طرف دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ڈاکٹر

نور نے دیوار پر لگی بہت بڑے سائز کی اسکرین کی طرف دیکھا، جس پر زمین کی تباہی کے مناظر صاف نظر آ رہے تھے۔ کئی سو منزلہ عمارتیں سنسان تھیں۔ پانی کے ذخائر ختم ہو چکے تھے۔ درخت پہلے ہی ناپید ہو چکے تھے۔ جانور صرف کتابوں میں زندہ تھے۔ زمین کا درجۂ حرارت خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا۔ جنگوں اور موسمی حالات سے تنگ آ کر لوگ دوسرے سیاروں پر جا چکے تھے۔ جو باقی بچ گئے تھے وہ مُردوں سے بدتر تھے اور جلد ہی فنا ہونے والے تھے۔

ڈاکٹر نور کا چہرہ زرد تھا۔ زمین پر شاید وہ آخری انسان تھی۔ اچانک لیب کے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ ڈاکٹر نور نے ٹام کی طرف دیکھا۔ ٹام نے ایک نظر دروازے پر ڈالی اور اپنے ہاتھ پر لگے چند بٹن دبائے۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے سبز شعائیں نکلیں اور دروازے کے پاس چلی گئیں۔

''مادام! دروازے پر ایک میمنا ہے۔'' ٹام نے نور کو بتایا۔

''اسے اندر لے آؤ۔'' نور نے حکم دیا۔

''اس کے اندر آنے سے آکسیجن میں کمی ہو جائے گی...... مادام!'' نور نے حکم دیا تھا تو ٹام نے اسے خطرے سے آگاہ کیا۔

''مجھے پتا ہے ٹام! اسے اندر لے آؤ۔'' نور چلاّئی۔

ٹام نے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ دروازہ چند سیکنڈ کے لیے کھلا۔ ٹام اسے اندر کھینچ لایا۔ میمنا بہت سہما ہوا تھا۔

اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے آلات نصب تھے۔ ٹام نے اسے ایک مشین کے اندر ڈالا اور اس کے سر پر ایک ٹوپی نما آلہ لگا دیا۔ نور نے کرسی اسکرین کی طرف موڑی۔ وہ اسکرین پر اس کی دماغی کیفیات پڑھ رہی تھی۔ وہ کسی سائنس دان کا پالتو میمنا تھا۔ اس کا مالک جا چکا تھا۔ وہ خاص قسم کا جاندار تھا اور کم آکسیجن میں زندہ رہ سکتا تھا۔ اسی لیے وہ اب تک زندہ تھا۔

ٹام نے اسے مشین سے باہر نکالا۔ وہ لپک کر گملے میں لگی گھاس کی طرف بڑھ گیا۔

''مادام! خلائی جہاز سفر کے لیے تیار ہے۔ ہم روشنی کی رفتار سے چلیں گے اور مریخ پر نئی زندگی شروع کریں گے۔'' ٹام نے کہا اور آلات سمیٹنے لگا۔

''اسے اندر بٹھاؤ......'' نور نے میمنے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹام نے میمنے کو پکڑا اور خلائی گاڑی میں ایک کونے میں بٹھا دیا۔ وہ ابھی تک گھاس چبا رہا تھا۔ نور نے پودوں کے گملے بھی ترتیب کے ساتھ گاڑی میں رکھے۔

''کیا ہم انھیں ساتھ لے جائیں گے؟'' ٹام نے پوچھا۔

''میرے پاس یہ ہی زمین کے ساتھی ہیں۔ یہ مجھے زمین کی یاد دلائیں گے۔'' نور کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''اور یہ میمنا بھی......'' ٹام نے کہا۔

نور، آج مہینوں بعد مسکرائی: ''ہاں ...... یہ بھی۔''

ٹام اور نور خلائی جہاز میں بیٹھے اور انجن اسٹارٹ کیا۔ جوں ہی انجن اسٹارٹ ہوا لیب کی چھت خود بہ خود کھل گئی۔ خلائی جہاز فضا میں بلند ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ٹام نے ایک زرد بٹن دبایا۔ ایک جھپاکا ہوا، اور گاڑی مریخ کی فضا میں داخل ہوگئی۔ وہ اس انجان دھرتی پر اُترے تو نور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کے پٹھے اکڑ رہے ہوں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے مریخ کی ہوا اسے ختم کردے گی۔ اس نے اردگرد دیکھا۔ مریخ اب پہلے کی طرح منجمد نہیں تھا۔ انسانوں نے یہاں مصنوعی جھیلیں بنالی تھیں۔ سبزہ اُگا لیا تھا۔ وہ اپنی زمین کو چھوڑ کر یہاں آباد ہو رہے تھے، مگر کچھ ایسا تھا جس سے وہ سب بے خبر تھے۔ نور نے اپنے پودوں کی طرف دیکھا۔ سورج مُکھی کا پھول گہرا سرخ ہو چکا تھا۔

نور چونک اُٹھی: ''ٹام! یہاں کی فضا میں ایک انجان وائرس ہے، کوئی بَلا ہے۔ جلدی پتا کرو......''

ٹام نے اپنے سینسرز آن کیے۔ اپنے ٹیبلٹ پر چند اُنگلیاں گھمائیں اور بولا: ''مادام! ہر چیز درست ہے۔ یہ شاید آپ کا وہم ہے۔ اس سیارے پر ہر طرح سے تحقیق ہو چکی ہے۔ اسے انسان کی رہائش کے لیے بے ضرر قرار دیا جا چکا ہے۔ لیبارٹری کی دیواروں پر بنی فرضی تصاویر آج حقیقت بن چکی ہیں۔ یہ سب انسانوں اور انسان کی بنائی ہوئی مشینوں کا کمال ہے۔''

''ہماری تحقیق میں کوئی غلطی بھی تو ہو سکتی ہے نا؟'' نور چِلّائی۔

''مادام! انسان بیسوی صدی میں پہلی دفعہ اس سیارے پر اُترا تھا۔ ہزاروں سالوں کی تحقیق غلط کیسے ہو سکتی ہے؟''

''ٹام! چلو انسانی بستیوں میں چلتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے یہ وائرس اچانک حملہ آور ہوا ہے۔ جلدی چلو، ورنہ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔'' نور نے کہا اور تیزی سے انسانی بستیوں کی طرف روانہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انسانی بستیوں میں پہنچے۔ نور کے ساتھی ڈاکٹر وہاں پہلے سے موجود تھے۔

''ڈاکٹر جوزف! مجھے لگتا ہے یہاں پر چند منٹ میں وائرس سے بھرا طوفان آنے والا ہے، جسے ہمارے آلات محسوس نہیں کر رہے۔'' نور نے چِلّاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ...... نہیں ...... ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہ آپ کا وہم ہے۔ ہمیں یہاں آنے والے ہر طوفان کا علم پہلے ہی ہو جاتا ہے، لیکن یہاں اب تک ایسا کوئی طوفان نہیں آیا جو اب ہمیں نقصان پہنچا سکے۔'' جوزف نے جواب دیا۔

''نہیں یہ میرا وہم نہیں ہے۔ میرے سن فلاور کا رنگ بدل چکا ہے۔'' نور نے التجا کی۔

''مگر میری لیب کے تمام پودے درست ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' وہ اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے۔

نور بوجھل قدموں کے ساتھ واپس آئی۔ٹام نے دھاتی شیٹس کا کیمپ تیار کیا۔نور نے اپنے سامان سے چند گولیاں نکالیں،انھیں اپنے ہاتھ کی پُشت پر رکھ کر دبایا۔وہ اس کی جلد میں پیوست ہوگئیں۔تھوڑی دیر بعد وہ نیند کی گہری وادیوں میں کھوگئی۔

''۲۶/ اکتوبر ۴۰۰۰ء نور کی آنکھ کھلی تو اسے سامنے لگی گھڑی پر چند ہندسے سے نظر آئے، سورج مُکھی کے پھول خون کی طرح سرخ ہوچکے تھے۔اچانک نور کی نظر اپنے ہاتھوں پر پڑی۔اس کی جلد سوکھ چکی تھی اور اس کا رنگ گہرا نیلا تھا۔اس نے کیمپ کا دروازہ کھولا۔باہر تیز آندھی چل رہی تھی،لیکن اس کے بال لہرا نہیں رہے تھے۔اس نے سر پر ہاتھ پھیرا۔اس کے بال غائب تھے۔ٹام مریخ پر اوندھا پڑا تھا۔اس کی بیٹری ختم ہوچکی تھی۔قریب ہی اسے چند گنجے انسان نظر آئے جن کی جلد گہرے نیلے رنگ کی تھی۔درخت اور پودے سبز رنگ کے بجائے سرخ رنگ کے تھے۔مریخ کا وائرس سب کچھ تباہ کر چکا تھا۔نور کو اپنی سانسیں بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔اس کا ذہن بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ کاش انسان ترقی کے نام پر دھرتی ماں کو تباہ نہ کرتا۔کاش! زمین پر درخت قائم رہتے۔درخت زمین کے لیے پھیپھڑوں کا کام کرتے ہیں۔انسانوں کے لیے آکسیجن پیدا کرتے ہیں اور بارشوں کا نظام اور زمین کی درجۂ حرارت قائم رکھتے ہیں۔کاش وہ یہ بات سمجھ لیتے کہ انسانوں کا اصل گھر تو زمین ہے۔کوئی دوسرا سیارہ ان کی پناہ گاہ نہیں بن سکتا۔نور کی ہمت جواب دے گئی۔وہ لرزتے جسم کے ساتھ گر پڑی۔گرتے وقت اس کی نظر میمنے پر پڑی جو اپنے قد سے کئی گناہ بڑا درندہ بن چکا تھا اور اب مردہ نور کی ہڈیاں چبانے کے لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہمارے نبیؐ
پیارے پیارے نبیؐ

ہمدرد نونہال اسمبلی کے زیرِ اہتمام

پاکستان کے چار شہروں میں منعقد ہونے والی

نونہال سیرت کانفرنس

ماہِ ربیع الاوّل کے آتے ہی پاکستان کے چار بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام نونہال سیرت کانفرنس کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ان چاروں شہروں میں نونہالوں کی بڑی تعداد اپنے اساتذہ اور والدین کے ساتھ اس کانفرس میں شریک ہوئی۔ سیرت کے موضوع پر بچوں نے اپنی محبتیں نعت اور تقاریر کی صورت میں پیش کیں۔ اپنے پیارے نبیؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا عہد کیا اور اپنی عقیدتوں اور محبتوں کے گل مہکائے۔ شہید حکیم محمد سعید کی قائم کردہ روایتوں کے مطابق کم سن نونہالوں کی رسمِ بسمہ اللہ اور رسم آمین بھی ادا کی گئی جسے بے حد سراہا گیا۔ پاکستان بھر کے نونہالوں کو سیرت طیبہ کا مختصر ترین احوال درج ذیل مختصر مضمون کی صورت میں دعوت نامے کے ساتھ بھجوایا گیا۔

آج سے پندرہ سو سال پہلے دنیائے عرب بہت سی برائیوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ یہاں کے لوگ سخت گیر اور ظالم تھے، بات بات پر جھگڑتے اور فساد برپا کر دیتے، ان کی لڑائیاں قبیلوں کی جنگوں میں تبدیل ہو جاتیں، لوٹ مار اور دوسروں کے حق مارنا عام سی بات تھی، عورتوں پر ظلم کرتے، بچیوں کو پیدا ہوتے ہی دفنا دیتے، اللہ کے بجائے بتوں کی عبادت کرتے۔

جب اس خطے کے حالات خرابی کی انتہا تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کے درمیان ایک پیغمبر کو بھیجا تا کہ وہ انہیں ہدایت کا راستہ دکھائے، برائیوں سے روکے اور اچھائیوں کی تلقین کرے۔حضرت عبداللہ کے بیٹے اور حضرت آمنہ کے جگر گوشے محمدؐ، اللہ تعالیٰ کے خصوصی پیغام بر بن کر آئے اور ۴۰ سال تک اپنے مثالی کردار سے لوگوں کو دل جیتتے رہے۔۴۰ سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی تو اعلانیہ اللہ کے احکامات سنانا شروع کردیے۔آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کے بارے سب کو آگاہی دی اور انہیں کامیابی کا راستہ دکھایا۔آپؐ کی جدوجہد کا طویل دور ایثار، قربانی، ہجرت اور تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے گزرا، مگر آخرکار آپ کامیاب ہوئے اور صحرائے عرب میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی۔

نئی اسلامی ریاست میں انصاف، مساوات، احترام انسانیت کی قدریں عام ہوئیں اور اللہ رب العزت کے احکامات کی حکمرانی قائم ہوگئی۔معاشرے کے دھتکارے ہوئے لوگ بھی قابل تکریم ہوگئے۔غلاموں کو پہلے تو احترام کا درجہ عطا ہوا اور پھر غلامی ختم کردی گئی۔خواتین کو ان کے حقوق عطا ہوئے۔بچیوں کو مار ڈالنے کی رسم کو دورِ جہالت کا برا فعل قرار دیا اور بچیوں کا مرتبہ یہاں تک بڑھا کہ نبیٔ اکرمؐ نے فرمایا ''جس گھر میں بیٹیاں ہوں اس گھر میں رحمت اور برکت ہوگی۔'' آپؐ بچوں سے بہت محبت فرماتے، اکثر محلے کے بچوں کو اپنی سواری پر ساتھ بٹھا لیتے اور انہیں پیار کرتے۔انسانیت کے لیے برابری اور مساوات کی بھلا اس سے بڑی اور کیا مثال ہوگی کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ''اللہ کے نزدیک پسندیدہ شخص رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اس کے اچھے عمل اور کردار کی بنیاد پر ہے۔'' سبحان اللہ

ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ ہم محسن انسانیت، اللہ کے آخری نبیؐ اور اپنے محبوب راہنما حضرت محمدؐ سے اپنی محبت کے اظہار کے لیے یہ دن نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ منائیں، ان کے بارے میں پڑھیں، سنیں، ان کی محبت میں کہی گئی نعتوں سے اپنے ذہن وقلوب کو منوّر کریں اور ان پر درودوسلام بھیجیں کہ اس عمل میں خود ہماری بھلائی رکھ دی گئی ہے۔نونہال سیرت کانفرنس میں آپ سے شرکت کی درخواست ہے۔

کراچی

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

لاہور

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

راولپنڈی

ماسٹر محمد ایوب - ماہرِ تعلیم

پشاور

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

''کتاب کھولو، دنیا اور آخرت میں
ترقی کا ہر دروازہ کھلتا چلا جائے گا''

حکیم محمد سعید

کتابوں کی اشاعت اور لائبریریوں کا قیام شہیدِ پاکستان کا شوق بھی تھا اور وژن بھی

حکیم محمد سعید کے ۱۰۰ ویں یومِ ولادت پر آیئے

کتاب پڑھنے، پڑھانے اور پھیلانے کی روایت کو آگے بڑھائیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی نہایت خوب صورت اور مفید کتب پیش ہیں

آپ اپنے گھر، اسکول یا دفتر میں لائبریری قائم کرنے کا ارادہ کیجیے

ہم آپ کو اتنی کم قیمت پر کتب فراہم کریں گے کہ

آپ کو شاید یقین نہ آئے

(تفصیلات ماہ فروری ۲۰۲۰ء کے شمارے میں)

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

Press ad

ٹماٹر

کلیم چغتائی

ہر سمت ہے فریاد یہی ہائے ٹماٹر
ڈھونڈے سے بھی اس بار نہ مل پائے ٹماٹر

پہلے تو گلی کوچوں میں تھا ان کا بسیرا
جاتے ہوئے چر جاتی تھی ہر گائے ٹماٹر

اسباب کیا نذر تو ہیں دام چکائے
تب ایک ،حفاظت سے بڑی لائے ٹماٹر

فرزند کی شادی میں منسٹر نے بہ صد فخر
پھولوں کی جگہ نوشہ کو پہنائے ٹماٹر

تھی دوستی کیا خوب ٹماٹر سے ہماری
پھر کیا ہوا جو ہم سے ہیں اُکتائے ٹماٹر

ہم ان کو کلیجے سے لگانے کو ہیں بے تاب
کیا جانیے کس واسطے شرمائے ٹماٹر

جاری تھا سفر ان کا بڑی تیز روی سے
تھک ہار کے شاید کہیں ستائے ٹماٹر

کم ہی کو یقیں آئے کہ ایسا بھی ہوا تھا
لیڈر پہ خفا لوگوں نے برسائے ٹماٹر

اب عمر گزرتی ہے کلیم اس تگ و دو میں
بھولے سے کہیں ایک ہی مل جائے ٹماٹر

Press ad

شین شرارت

طنز و مزاح کے اس سلسلے میں لطائف، مزاحیہ واقعات،

مزاحیہ اشعار، دلچسپ کارٹون یا تصاویر بھی بھجوائی جا سکتی ہیں

فون کی گھنٹی بجی تو مرزا صاحب نے فون اُٹھایا: ''کون صاحب بول رہے ہیں؟''

''جناب! میں بول رہا ہوں، آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟''

مرزا نے کہا: ''بڑے کمال کی بات ہے، اُدھر سے بھی میں ہی بول رہا ہوں۔''

ایہا خضر اسحر، نارتھ کراچی

ایک مداری تماشا دکھا رہا تھا۔ اس نے ہجوم میں سے ایک لڑکے کو بلایا اور پوچھا:

''لڑکے! تم نے مجھے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا؟''

لڑکا بولا: ''نہیں ابا!''

وقاص زاہد، نواب شاہ

ایک عورت: ''آج کل تمھارے شوہر نظر نہیں آ رہے، کیا بیمار ہیں؟''

دوسری عورت: ''ہاں، وہ بیمار ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر نے آرام کا مشورہ دیا تھا اور تاکید کی تھی کہ جب تک میں نہ کہوں بستر سے نہیں اُٹھنا، پھر چند دنوں بعد ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوگیا۔

حافظ محمد اسلم، کراچی

ٹریفک سارجنٹ: کیا تمھیں ٹریفک کی سرخ بتی نظر نہیں آئی؟

ڈرائیور: نظر تو آئی تھی سر

سارجنٹ: تو پھر تم رُکے کیوں نہیں؟

ڈرائیور: وہ ... دراصل آپ نظر نہیں آئے۔

میں جہاں سے چلا تھا پھر وہیں آ گیا .... جانے کسی نالائق نے بنائے ہیں یہ راستے

ایک صاحب حادثے میں زخمی ہو گئے۔ انھیں اسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے بعد کہا: ''آپ کو کل چھٹی مل جائے گی۔''

دوسرے دن ڈاکٹر نے کہا: ''آپ یہاں کم از کم ایک ہفتے اور رکیں گے۔''

مریض نے کہا: ''مگر کل تو آپ نے کہا تھا کہ آج میری چھٹی ہو جائے گی۔''

ڈاکٹر نے جواب دیا: ''وہ تو ٹھیک ہے، مگر آج کے اخبار میں حادثے کی تفصیل پڑھ کر تمھارے زخموں کی شدت کا اندازہ ہوا ہے۔''

عبدالحلیم، لاڑکانہ

انسپکٹر صاحب نے سپاہی کو ایک ملزم کی چھے تصویریں دیں اور کہا: ''جاؤ، اس ملزم کو تلاش کرو۔''

شام کو سپاہی واپس آیا اور انسپکٹر سے بڑے فخر سے کہا: ''جناب! پانچ ملزم گرفتار ہو چکے ہیں، چھٹے کی تلاش جاری ہے۔''

فاطمہ سلیم، راولپنڈی

مریض: ''ڈاکٹر صاحب! کسی طرح مجھے صحت عطا کر دیجیے۔''

ڈاکٹر: ''صحت اللہ عطا کرتا ہے۔''

مریض: ''اچھا تو بل بناتے ہوئے بھی اللہ کو مت بھولیے گا۔''

ہانیہ مغل، لاہور

شوہر: '' بیگم! رات ہمارے گھر چور گھس آئے۔ انھوں نے مجھے مرغا بنا دیا اور خوب پیٹا اور قیمتی سامان، نقدی وغیرہ لے گئے۔''

بیوی: ''تو آپ نے شور کیوں نہیں مچایا؟''

شوہر: ''واہ! کیا میں ڈرپوک ہوں جو شور مچاتا۔''

امبر علیم الدین، حیدر آباد

تم نے گانا گانے کی مشق کیوں چھوڑ دی؟''

''گلے کی وجہ سے۔''

''کیا ہوا تمھارے گلے کو؟''

''پڑوسی نے دھمکی دی تھی گلا دبانے کی۔''

عدنان شاہد، فیصل آباد

بیوی نے شوہر سے کہا: ''میں پانچ منٹ کے لیے پڑوس میں جا رہی ہوں۔ پندرہ منٹ کے بعد پتیلی چولھے سے اُتار دیجیے گا اور ایک گھنٹے بعد منے کو بوتل سے دودھ پلا کر سلا دیجیے گا، میں بس ابھی آئی۔''

کاشف رفیق، اسلام آباد

ریل کے سفر میں ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: '' معاف کیجیے، میں کچھ اونچا سنتا ہوں، لیکن آج تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بالکل بہرا ہو گیا ہوں۔ ایک لفظ بھی سنائی نہیں دے رہا ہے۔''

دوسرے نے جواب دیا: ''میں باتیں نہیں کر رہا ہوں، چیونگم چبا رہا ہوں۔''

حسان خان، جعفر آباد

استاد: ''تم نے کبھی کوئی نیک کام کیا ہو تو بتاؤ۔''

شاگرد: ''ایک دفعہ ایک آدمی ریلوے اسٹیشن جا رہا تھا۔ وقت بہت کم تھا۔ گاڑی آنے والی تھی۔ میں نے اس آدمی کے پیچھے اپنا کتا چھوڑ دیا۔ میرے کتے نے اسے وقت پر اسٹیشن پہنچا دیا۔''

عروج ناصر، سکھر

جج: ''تم نے جرم بڑی صفائی اور ہنرمندی سے کیا ہے۔''

ملزم: ''شکریہ جناب! آپ پہلے آدمی ہیں، جس نے میرے فن کی تعریف کی ہے۔''

عائشہ نرگس، ملتان

''برخوردار! تم کیوں رو رہے ہو؟''

''میرے ابا جان نے ایک نئی قسم کا صابن تیار کیا ہے۔''

''تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟''

''جو کوئی گاہک آتا ہے وہ نمونہ دکھانے کے لیے میرا ہی منھ دھوتے ہیں۔''

روبینہ ناز، کراچی

راہ گیر: ''جناب! کیا یہ سڑک اسپتال جاتی ہے؟''

آدمی: ''جی نہیں اس کی مرمت یہیں ہو جاتی ہے۔''

زینب محمد عامر شمسی، کراچی

سلیم مغل

سان فرانسسکو کا ایک خوب صورت دن

بحرالکاہل کے کنارے

سان فرانسسکو کے بازار، شاپنگ سینٹرز، ساحل اور بہت سے عجائبات دیکھتے ہوئے میں اور رمیصا ابھی ابھی بحرالکاہل کے کنارے سان فرانسسکو کے گولڈن گیٹ پارک پہنچے ہیں۔ یہاں آتے ہوئے مائیکل جیکسن کی روح نے مجھے آلیا۔ اپنی بانہیں میری گردن میں ڈال کر میرے ساتھ یوں رقص کرنے لگا جیسے اس رقص میں اُس کا بچھڑا ہوا اصل جوڑی دار میں ہی ہوں۔ کچھ ڈالر ہاتھ پہ رکھ کر بڑی مشکل سے جان چھڑائی۔

مائیکل جیکسن کی روح سے بعد از مرگ ملاقات کا یہ تجربہ کافی خوشگوار رہا

SAN FRANCISCO
RECREATION
& PARKS

Mission Dolores
Park

گولڈن گیٹ پارک بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔اس کا کل رقبہ 1017 ایکڑ ہے اور اسے ایک سال میں ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ لوگ دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ یہی صورت نیویارک کے ڈاون ٹاؤن میں واقع سینٹرل پارک کی بھی ہے جہاں چار کروڑ سے زیادہ لوگ ایک سال میں تفریح کی خاطر آتے ہیں۔اس پارک کا رقبہ 843 ایکڑ ہے۔ یہ زمین 1857 میں پارک کے لیے مختص کی گئی تھی۔آپ اندازہ کر سکتے ہیں شہر کے گنجان اور بلند و بالا عمارتوں پر مشتمل ڈاون ٹاون میں اس قطعہء زمین کی قیمت کیا ہوگی۔شائد پاکستان کے سالانہ بجٹ سے بھی زیادہ۔ حیرت ہے کسی بلڈر، کسی اسٹیٹ ایجنٹ کی نظر اس زمین پر نہیں پڑی۔کسی ڈیولپمنٹ اتھارٹی، کسی بلڈنگ کنٹرول والے نے گذشتہ 161 سالوں میں اس زمین کے ایک انچ کا بھی سودا نہیں کیا۔ کیسے لوگ ہیں یہ امریکی، انہیں خلاوں میں سفر کرنا آ گیا، چاند اور مریخ کو تسخیر کر لیا مگر زمین ہڑپ کرنے کا ہنر نہیں آیا۔ یہ سطر لکھتے ہوئے میں اپنے آپ سے نادم سا ہو رہا ہوں۔

میں نے شکاگو کی بابت اپنے سفرنامے میں لکھا تھا کہ میں مشی گن جھیل کے کنارے بیٹھا ہوا اپنے شہر کی غلاظتوں اور کچرے کے ڈھیروں پر آنسو بہا رہا ہوں.... اس روز میں دل گیر تھا آج بھی میری کیفیت پہلے سے مختلف نہیں۔ مجھے آج اپنے ہی شہر کے بہت سے بے حس لوگ یاد آرہے ہیں جنہوں نے کراچی کی زمینوں کو بیچ کھایا، اس کے رہنے والوں سے تازہ ہوا میں سانس لینے کا حق چھین لیا، اس کے حسن کو گہنا دیا اور اس کی افشاں بھری مانگ کو اجاڑ دیا۔آج میں نے سان فرانسسکو کے اس پارک میں بیٹھ کر جانے کتنی بددعائیں دی ہوں گی ان زمین اور ضمیر فروشوں کو، ایک کمزور آدمی اور بھلا کر ہی کیا سکتا ہے۔

میں گولڈن گیٹ پارک میں کھڑا ہوا ہوں۔اصولاً تو مجھے یہاں کھڑے ہو کر اس نظارے سے لطف اندوز ہونا چاہیے مگر یہاں کھڑے ہو کر بھی آج مجھے پنجاب کے سابق گورنر جنرل جیلانی بہت یاد آرہے ہیں جنہوں نے لاہور میں لینڈ مافیا کی ہر پیشکش کو جوتے کی نوک پہ رکھا، ہر دباؤ کو اپنے مضبوط ارادے سے کچل ڈالا، دشمنیاں مول لیں مگر لاہور میں پارکس کے لیے مختص زمین کو تجارتی مقاصد کے لیئے فروخت نہیں ہونے دیا۔لاہور کا ریس کورس پارک انہی کی کاوشوں کا حاصل ہے جسے لوگ جیلانی پارک بھی کہتے

ہیں۔ لاہور آج سرسبز ہے اور اس کے مکین اپنے محسن کو اپنی دعاؤں میں یاد کرتے ہیں۔
مجھے جمشید نصر وانجی یاد آ رہے ہیں جن کے عہد میں کراچی کی سڑکیں روزانہ دھلا کرتیں اور سڑک کنارے جلنے والے لیمپس میں ناریل کا تیل ڈالا جاتا تاکہ لیمپس سے دھواں نہ اٹھے اور شہر کی صاف ستھری فضا آلودہ نہ ہو۔ کراچی کو بنانے، سنوارنے والوں میں یہاں آباد پارسی، عیسائی اور ہندوؤں کا بھی بڑا حصہ ہے۔
سان فرانسسکو کے اس پارک میں آج مجھے کراچی کے سابق ناظم نعمت اللہ خان بھی یاد آئے جنھوں نے کراچی کی بہت سے علاقوں میں پارکس بنائے، وہاں کے مکینوں کی تفریح طبع کے لیے اور ان کے بچوں کی خوشیوں کے لیے بنیادی اسباب مہیا کئے۔ ان کے جانے کی دیر تھی کہ یہ گل وگلزار بھی اجڑنا شروع ہو گئے۔ اللہ ان بھلے لوگوں کو اجر عظیم دے اور ان کے بعد آنے والوں کو دوربین نگاہ عطا کرے۔
میں نے سان فرانسسکو کے پارک میں کھڑے ہو کر چند لمبی سانسیں لیں تو مجھ پر کھلا کہ یہ باغ بغیچے، یہ پھول پھلواریاں اور یہ اشجار وانہار دراصل انسانی بستیوں کے وہ پھیپھڑے ہیں جو آکسیجن یا تازہ ہوا کی فراہمی سے ہمیں صحت مند رکھتے ہیں۔ یہاں کی شادابی اور حسن ہمارے اعصاب کو سکون، ذہن کو آرام اور جسم کو توانائی عطا کرتے ہیں۔ موسموں کا بانکپن اور ابر باراں کی رحمتیں انہی لہلہاتے درختوں اور مہکتے پھول پودوں کے دم سے ہیں۔ کاش یہ بات ہمارے منصوبہ ساز اور صاحبان اختیار بھی سمجھ سکیں۔
مجھے نیو جرسی کا مینلو پارک اور فلاڈلفیا کے فریڈم پارک کو دیکھنے کا موقعہ بھی ملا۔ میں نے ہر پارک میں خوب صورتی کے نئے زاویئے دیکھے۔ ان پارکوں کے تاریخی اور تمدنی حوالے انھیں چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ کو دیکھنے، جاننے اور سیکھنے کا لطف اپنا ہے۔
سان فرانسسکو کے پارکس ہفتہ اور اتوار کو اپنے لوگوں سے اٹ جاتے ہیں۔ فیملیز اپنے بچوں اور کتوں کے ساتھ دن کا بڑا حصہ یہاں گذارتے ہیں، ان کا جتنا وقت پارکس میں گذرتا ہے اتنی دیر ان کے انگ انگ سے خوشیوں کے فوارے پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔ رشک آتا ہے ان پر.... یہاں زندگی کا معیار اور

انسانوں کا احترام تو حد درجہ کمال پہ ہے ہی۔۔ یہاں کتوں اور بلیوں سے بھی ان کی محبت دیدنی ہے۔
اسی پارک سے متصل گولڈن برج بھی امریکہ کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ سان فرانسسکو جائیں اور گولڈن برج دیکھے بغیر آجائیں تو گویا آپ نے اپنے سفر سے انصاف نہیں کیا۔
1.6 کلو میٹر طویل اور صرف دو ستونوں پہ کھڑا ہوا یہ پل سان فرانسسکو خلیج اور بحرالکاہل کو باہم ملاتا ہے۔ اس پل کو دنیا کے بڑے تعمیراتی شاہکاروں میں گنا جاتا ہے۔ اگر امریکی شناخت کے دس بڑے لینڈ مارکس کی فہرست مرتب کی جائے تو گولڈن برج ان میں سے ایک اور نمایاں ترین ہوگا۔ اس پل کی تعمیر پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ ہزاروں طرح کے تصویری البم بنائے گئے اور بلا مبالغہ لاکھوں طرح کے سوونیئرز بنائے اور فروخت کیے گئے۔
امریکہ آنے سے بہت پہلے میرے گھر کے ریفریجریٹر پہ گولڈن برج کا مقناطیسی ماڈل چپکا رہتا تھا جو مجھے ہمیشہ اکساتا کہ جب بھی امریکہ جاؤں تو یہ پل دیکھنے ضرور جاؤں۔ امریکہ جا کر یہ یہ غیر معمولی شاہ کار دیکھنے کی خواہش تو پوری ہوگئی مگر اسے دیکھتے ہوئے ایک خیال نشان سوال بن کر ابھرا کہ اگر دو ستونوں والا یہ امریکی پل تعمیراتی دنیا کا غیر معمولی شاہ کار ہو سکتا ہے تو پھر ہمارا سکھر والا lansdown bridge کیوں نہیں؟ اس پل کے نیچے تو کوئی ایک ستون بھی نہیں۔ بہت جلد اندازہ ہوگیا کہ دنیا کا کوئی بھی شاہکار اس وقت تک شاہکار نہیں بنتا جب تک اس کا ڈھول نہ پیٹا جائے، خوب صورت ماحول، محفوظ راستے، سفری سہولتیں، بنیادی آسائشیں، اچھی دیکھ بھال اور اس کے ساتھ منظّم ابلاغی مہم مل جل کر قد آوری اور نام وری کے اہداف طے کرتے ہیں۔ ہم نے تو دنیا کے حسین ترین شمالی خطوں اور وہاں کی برف پوش چوٹیوں کو بھی خوف کی علامت بنا دیا۔
بدقسمتی سے ہمارے خوب صورت مقامات کو بری نیتوں کی دیمک چاٹ گئی ورنہ آج بھی سندھ کے بہت سے مقامات سیاحوں کے لیئے خصوصی کشش کا باعث ہو سکتے ہیں۔ سکھر برج، رنی پور، گورکھ ہل، کینجھر، کلری، سونمیانی، ملیر کند اور دیگر بہت سے مقامات ہیں جن پر توجہ دی جائے تو یہ سیر و تفریح کے عالمی شہرت یافتہ مقامات کی طرح نہایت پرکشش اسپاٹ بن سکتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ میری خواہش کی بیل منڈھے چڑھنے میں نسلوں کو صدیوں کا انتظار کرنا ہوگا لیکن پھر بھی سہانے سپنے دیکھنے میں کیا جاتا ہے۔

گربہ کشتن ، روزِ اوّل

ڈاکٹر توصیف تبسم

یہ کہاوت فارسی زبان سے اردو میں آئی ہے۔ ’’گربہ‘‘ فارسی میں ’’بلی‘‘ کو کہتے ہیں اور ’’کشتن‘‘ کے معنی ’’جان سے مار دینے‘‘ کے ہیں۔ اس کہاوت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے دن ہی بلی کو جان سے مار دینا چاہیے، تاکہ دیکھنے والوں پر رعب پڑ جائے، بعد میں اس کا کوئی اثر و نتیجہ نہیں ہوگا۔

اب سے کوئی ڈھائی سو برس پہلے جب ہندوستان پر اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت تھی۔ دو دوست دہلی کے ایک مدرسے میں پڑھتے تھے۔ ایک کا نام غیاث الدین اور دوسرے کا نام ولی اللہ تھا۔ دونوں بڑے ذہین تھے اور

آپس میں ایک دوسرے کے بڑے ہی گہرے دوست۔ جب کوئی شخص سچی دوستی کا ذکر کرتا تو غیاث الدین اور ولی اللہ کی دوستی کی مثال دیا کرتا۔

مکتب کی تعلیم مکمل کر کے انھوں نے سوچا کہ اب کیا کیا جائے۔ ولی چوں کہ حساب کتاب میں ماہر تھا، اس لیے اس کو ایک بڑے سوداگر کے ہاں جگہ مل گئی۔ ان دنوں اورنگ زیب دکن کی جنگ میں مصروف تھا۔ غیاث بھی شاہی فوج میں بھرتی ہو کر دکن چلا گیا اور کئی برس تک اس کی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔ نوکری ہوگئی تو ولی نے سوچا کہ چلو اب شادی کر لی جائے۔ ولی نام ہی کا ولی نہیں تھا، بلکہ واقعی وہ بہت نیک انسان تھا، مگر قسمت سے جو بیوی اس کو ملی وہ بہت ہی بدمزاج اور لڑاکا تھی۔ شروع شروع میں اس نے بیوی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی بی بی ایسا کرو اور ایسا مت کرو، لیکن اس خاتون میں اتنی سمجھ ہوتی تو وہ گھر کو دوزخ ہی کیوں بناتی۔ مرتا کیا نہ کرتا، بچوں کی خاطر، آخر اس نے اپنی اس دکھ بھری گھریلو زندگی کو اپنی قسمت سمجھ کر قبول کر لیا۔

بہت دن یونہی گزر گئے۔ ادھر غیاث، دکن سے واپس آ گیا اور بہت سی دولت کما کر لایا۔ ولی سے ملاقات ہوئی تو ولی اس کو دیکھ کر لپٹ گیا۔ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں باتوں میں غیاث نے کہا: ”ولی بھیا! بہت دن اِدھر اُدھر گھوم پھر لیا، اب چاہتا ہوں کہ گھر بسا کر بیٹھ جاؤں۔ تم جانتے ہو میرے ماں باپ نہیں ہیں اور نہ کوئی ایسا بڑا بوڑھا جو میری شادی کا بندوبست کر سکے۔ تم میرے دوست بھی ہو اور بڑے بھائی بھی، کہیں میری شادی کرا دو۔“

ولی کہنے لگا: ”غیاث میاں! میری مانو تو اس شادی کے بکھیڑے سے دور ہی رہو تو اچھا ہے۔ یوں تو میری ایک چھوٹی سالی ہے اس کی شادی ابھی تک صرف اس لیے نہیں ہوسکی کہ وہ بہت زیادہ بدمزاج، غصے والی اور لڑاکا ہے۔ غصہ تو تمھاری بھابھی کا بھی بہت ہے، مگر وہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ مجھے دیکھو، جب ہم دونوں مدرسے میں پڑھتے تھے میں کتنا زندہ دل اور ہنس مکھ ہوا کرتا تھا، مگر اب سوچتا ہوں کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی۔“

غیاث نے کہا: ''ذرا کھل کر بات کرو، میں غیر تو نہیں ہوں جو تم مجھ سے اپنے دل کی بات چھپاتے ہو۔''
ولی نے کہا: ''میاں! کیا بتاؤں میری طبیعت تمھاری بھابھی سے بالکل نہیں ملتی۔ بس یوں سمجھو وہ آگ ہے اور میں پانی، ذرا سی بات بھی اگر اس کے مزاج کے خلاف ہو جائے تو گھر کے برتن باہر کر دیتی ہے۔ ایک دن بچہ پتنگ خرید لایا۔ کہنے لگی کہ بالکل اپنے باپ پر گیا ہے، کم بخت! شریفوں کے بچے بھی کہیں پتنگیں اُڑاتے ہیں۔ پتنگ اس سے چھین کر ٹکڑے ٹکڑے کیے اور پھینک دی۔ بچہ رویا تو اس کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ میں نے نرمی سے کہا، بی بی! بچے پر اتنی سختی کیوں کرتی ہو؟ تو کہنے لگی کہ بس بس میاں! تم خاموش نہیں رہ سکتے، تمھاری اسی قسم کی باتوں ہی نے تو بچوں کو بگاڑ رکھا ہے۔ اس خیال سے کچھ کہوں گا تو بات اور بڑھے گی، ناچار چپ ہو رہا۔ یہ تو ایک بات ہوئی۔ اگر گھر میں رہوں تو صبح سے شام تک یہی تُو تُو، میں میں ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے کوشش کرتا ہوں کہ جتنا وقت ہو سکے باہر گزاروں، مگر اس پر بھی چین نہیں ملتا۔ گھر واپس آتا ہوں تو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ کہتی ہے کہ تمھارا جی تو گھر سے باہر دوستوں میں لگتا ہے، گھر سے تو تمھیں کوئی دل چسپی ہے ہی نہیں، ہائے میری قسمت کہاں پھوٹی۔ یہ کہہ کر رونے بیٹھ جاتی ہے۔'' یہ کہہ کر ولی نے اپنا سر پکڑ لیا۔

غیاث بولا: ''ولی بھیا! تمھارے حالات سن کر واقعی بڑا دکھ ہوا ہے، مگر میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ شادی ضرور کروں گا اور کروں گا بھی تو تمھاری سالی سے، جس کی بدمزاجی کا حال تم بیان کر چکے ہو۔''

ولی نے ہزار سمجھایا، مگر غیاث اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر کار شادی ہو گئی اور غیاث اپنی بیوی کو لے کر گھر چلا گیا جہاں ریاست کی فوج میں وہ ملازم تھا۔

کئی مہینوں کے بعد غیاث کا دہلی آنا ہوا۔ تو ولی اس سے ملنے اس کے گھر گیا دیکھا تو غیاث بہت خوش و خرم ہے۔ غیاث نے آواز دی: ''اری رقیہ! آؤ نا، دیکھو کون آیا ہے۔ ولی بھائی ہم سے ملنے آئے ہیں۔''

بیوی آئی اور سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ رقیہ نے بہن اور بچوں کا حال پوچھا، پھر غیاث بولا: ''اب کیا بیٹھی ہی رہو گی، کچھ شربت پانی نہیں پلاؤ گی؟''

بیوی نے کہا: ''ابھی لے کر آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر ہنستی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔

ولی نے کہا: ''غیاث میاں! تم نے تو جادو کر دیا ہے۔ عقل نہیں مانتی کہ یہ وہی رقیہ ہے، بالکل بدل گئی ہے اب تو، یہ سب کچھ ہوا کیسے؟''

غیاث ہنسا اور کہنے لگا: ''ابھی بتاتا ہوں، اتنے بے چین کیوں ہوتے ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب ہماری شادی ہوئی تو پہلے ہی روز جب کھانے کے لیے دستر خوان بچھایا گیا تو شامت اعمال اس کی، ہماری پالتو بلی بھی دستر خوان پر آ گئی اور لگی کھانے کو سونگھنے، میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تلوار نکالی اور ایک ہی وار میں بلی کے دو ٹکڑے کر دیے۔ بیوی نے جو یہ دیکھا تو سمجھ گئی کہ میاں غصے کا بہت تیز ہے۔ میں نے اگر کوئی ایسی ویسی بات منھ سے نکالی تو خدا جانے میرے ساتھ کیا برتاؤ کرے۔ پہلے ہی دن رعب میں آ گئی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کوئی بات بھی میری مرضی کے خلاف نہیں کرتی۔''

ولی نے یہ بات سنی تو جی میں خوش ہوا اور اس کو یہ خیال بھی آیا کہ اگر میں نے پہلے دن یہی کچھ کیا ہوتا تو آج اتنی مصیبت میں نہ ہوتا۔

ان دونوں سے رخصت ہو کر وہ گھر آیا۔ رات کو کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھا تو پالتو بلی جب کھانے کی خوشبو سونگھ کر دستر خوان کے قریب آئی، ولی نے فوراً ڈنڈا اُٹھایا اور بلی کو مارنے دوڑا۔ بیوی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور کہنے لگی: ''میاں! بلی کو اگر مارنا ہی تھا تو پہلے دن مارا ہوتا، اب میں تمھارے رعب میں آنے والی نہیں ہوں۔''

جب سے اب تک یہ کہاوت مشہور ہے: ''گُربہ کُشتن، روزِ اوّل۔''

دودھ پیئیں، خوب جیئیں

اس انمول نعمت میں کیلشیم، پروٹین

اور بہت سے معدنی اجزا شامل ہیں

دودھ کا روزانہ استعمال

اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے

دودھ پینے کو اپنی عادت کا حصہ بنائیے

اشتہار برائے آگہی

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

ایثار کا پیکر

رابعہ فاروق

میرا نام شہلا ہے اور صائمہ میری چچازاد بہن ہے۔ ہم ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ وہ بہت اچھی فطرت کی مالک ہے۔ کبھی دروازے پر کوئی مانگنے والی بھکارن آتی تو وہ ان کو پیسے دینے کے بجائے ان سے کہتی کہ اچھا بیس روپے دوں گی، ہمارے برتن دھو دو یا ہمارے پودوں کو پانی دے دو یا پیاز لہسن چھیل کر دے دو یا جھاڑو دے دو۔ اکثر اوقات مانگنے والی عورتیں یہ سن کر رفو چکر ہو جاتیں کوئی شاذونادر ہی ٹِک پاتی۔

چچی جان کہتیں: ''صائمہ! تمھیں خدا سمجھے، کیوں ان کو اندر لے آتی ہو؟ ان میں سے کوئی چور بھی تو ہو سکتی ہے۔''

صائمہ محلے میں اکثر شبو خالہ کے گھر چلی جاتی۔ان کی چھوٹی بیٹی جسمانی طور پر معذور ہے۔صائمہ اس کو مختلف رسالوں سے کہانیاں پڑھ کر سناتی۔ایک روز میں صائمہ کو بلانے شبو خالہ کے گھر گئی تو دیکھا صائمہ معذور لڑکی کے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھی کہانی سنا رہی تھی اور لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔صائمہ جب گھر واپس آئی تو چچی جان نے ڈانٹ کر کہا،اپنے گھر کا کام تو ہوتا نہیں دوسروں کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔ان کے خیال میں وہ اپنا وقت برباد کر رہی ہے۔

اسکول میں وقفے کے دوران چھٹی جماعت کی تین بچیاں اس کے پاس آتیں تو وہ ان کو حساب اور سائنس سمجھا دیتی۔یہ غریب گھرانے کی بچیاں ٹیوشن نہیں پڑھ سکتی تھیں۔ان کو بلا معاوضہ ٹیوشن پڑھاتی۔مجھے صائمہ پر کبھی غصہ آتا اور کبھی ترس۔اپنا کھیل کود چھوڑ کر دوسروں کے مسئلے حل کرتی ہے۔نہ جانے کب عقل آئے گی۔

چچی جان کو اس کی عادتیں بُری لگتیں اور باتیں سناتیں تو تب بھی اُف نہ کرتی۔ہنس کر سنتی رہتی۔

میرے اور صائمہ کے امتحان ہو رہے تھے۔ہم دونوں دل لگا کر تیاری کر رہے تھے۔رات کے دس بجے کا وقت تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔دروازہ کھولا تو ہماری محلے دار اور کلاس فیلو فروا کھڑی تھی۔وہ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا بات ہے فروا!'' صائمہ نے پوچھا۔

''صائمہ! میں نے بہت محنت سے آخری دو ابواب کے نوٹس بنائے تھے۔پتا نہیں کہاں رکھ دیے۔سب تیاری مکمل ہے،لیکن وہ نوٹس نہیں مل رہے۔میں بہت پریشان ہوں۔اگر نوٹس نہ ملے تو میری پوزیشن پر اثر پڑ سکتا ہے۔''

صائمہ نے جنرل سائنس کے آخری دو ابواب کے نوٹس جو صائمہ نے اپنے لیے تیار کیے تھے فروا کو دے دیے:''لو یہاں سے تیاری کر لو۔'' صائمہ نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن تم کیسے تیاری کرو گی؟“ فروا نے حیرانگی سے پوچھا۔

”میں نے ان دو ابواب کی تیاری کر لی ہے۔تم بے فکر ہو جاؤ۔“ صائمہ نے اطمینان دلایا۔فروا کے جاتے ہی میں صائمہ پر برس پڑی: ”اگر تم اسے نوٹس نہ دیتی تو میں یا تم فروا سے آگے جا سکتے تھے۔“

صائمہ نے سکون بھرے لہجے میں کہا: ”کوئی بات نہیں کسی پریشان انسان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔“

بہ ہر حال بات آئی گئی ہوگئی۔ ہمارے امتحان ختم ہو گئے۔اب نتیجے کا انتظار تھا۔آخر وہ دن بھی آ پہنچا۔تمام طلبہ اسمبلی گراؤنڈ میں جمع تھے۔ جیسے ہی ہماری جماعت کی باری آئی تو میں اور صائمہ چوکنے ہو کر بیٹھ گئے۔

”پہلی پوزیشن پہ ہیں صائمہ انور۔“ پرنسپل نے اعلان کیا۔صائمہ حیرت و خوشی کے مارے گُنگ ہو کر رہ گئی۔ پرنسپل اور کلاس ٹیچر نے اسے ایوارڈ دیا اور خوب تھپکی دی۔ دوسرے نمبر پر فروا تھی اور تیسرا نمبر میرا تھا۔آخر میں پرنسپل نے اسکول کی بیسٹ اسٹوڈنٹ کا اعلان کیا اور وہ کون تھی؟ جی وہ تھی ”صائمہ۔“

پرنسپل نے صائمہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا: ”اس بچی میں بہت صلاحیت ہے۔اس میں دوسروں کی خدمت کا جذبہ ہے۔ یہ ایثار کا پیکر سب کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ان شاء اللہ یہ بچی بہت آگے جائے گی۔“ پرنسپل نے صائمہ کی پیٹھ پر تھپکی دی۔

صائمہ کو ایوارڈ دیا گیا اور پرنسپل نے دو ہزار روپے بہ طور انعام دیے۔ صائمہ کا چہرہ مسرت سے گلنار تھا۔ ہمیشہ فروا فرسٹ پوزیشن پر آتی تھی،لیکن اس بار وہ دو نمبروں سے دوسری پوزیشن پہ آ گئی۔فروا دوسری پوزیشن پر بھی خوش تھی، کیوں کہ جنرل سائنس کے نوٹس کھو دینے کے بعد وہ بہت مایوس ہوگئی تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ چوتھی پوزیشن پر چلی جائے۔تمام طالبات نے صائمہ کو مبارک باد دی۔ مجھے بھی یقین ہوا کہ جب کوئی انسان اللہ کے دوسرے بندوں پر مہربانی اور آسانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت اور انعام سے ضرور نوازتا ہے۔

۹ر جنوری ۱۹۲۰ء

اس عظیم شخصیت کا جنم دن

جس نے وطنِ عزیز میں

- قدم قدم پر آ گہی کے چراغ جلائے
- درس گاہیں بنائیں اور علم وداب کو فروغ دیا
- نونہالوں کو زندگی کا قرینہ سکھایا اور آگے بڑھنے کی اُمنگیں دیں
- نوجوانوں کو بلند پروازی اور دور بینی کے سبق پڑھائے
- طب مشرق کو معیار، تکریم، اعتبار اور صنعت کا درجہ عطا کیا
- صحت کی دولت تقسیم کی اور صحت مندروّیوں کو فروغ دیا
- سب سے بڑھ کر تعمیرِ پاکستان کا خواب دکھا کر تعبیریں پانے کا ہنر سکھایا

جنوری ۱۹۲۰ء کو شہید حکیم محمد سعید کے سوسالہ یومِ ولادت کے طور سے منایا جارہا ہے

آیئے وطنِ عزیز کے عظیم محسن اور شہیدِ پاکستان کو خراج تحسین پیش کریں

دعائیں...... پھولوں کے سوغات ...... اچھی تحریر...... خوب صورت شعر

حکیم صاحب کی کتاب کا مطالعہ...... پابندیٔ وقت کو اپنی عادات کا حصہ بنانے کا عہد

آپ کا ہر اچھا عمل اس صد سالہ تقریب میں شرکت اور شمولیت ہی کی صورت ہوگا

شہیدِ پاکستان

اپنے اقوال کی روشنی میں

راؤ جی

پاکستان سے محبت کرو　　　　　　پاکستان کی تعمیر کرو

شہیدِ پاکستان کا یہ قول ایک اُصولی قول ہے جو پاکستانی قوم کے لیے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر عمل کر کے قوم نہ صرف اپنے تمام دکھوں کی تلافی کر سکتی ہے بلکہ وطنِ عزیز کے مسائل بھی حل کر سکتی ہے۔ پاکستانی قوم میں صلاحیتوں کی کمی نہیں، کمی ہے تو جذبۂ تعمیر کی جسے اس قول کی روشنی میں پیدا کیا جا سکتا ہے۔

شہید حکیم محمد سعید پاکستان کو ترقی یافتہ ملک بنانے کا آسان سا طریقہ بھی بتاتے ہیں وہ یہ کہ پاکستان کے نونہالوں کو بڑا بنا دو، پاکستان بڑا بن جائے گا۔ حکیم صاحب نے ایک بڑی بات کتنے آسان لفظوں میں کہہ دی۔ وہ مزید فرماتے ہیں: ''نونہالوں کی زندگی، ملت کی زندگی ہے۔''

اپنے ادارے ہمدرد کے بارے میں وہ فرماتے ہیں: '' ہمدرد کی زندگی خدمتِ خلق ہے۔ ہمدرد سب کا ہمدرد ہے۔ پاکستان زندہ باد۔ ہمدرد پائندہ باد!'' حکیم صاحب پاکستانیوں کے ذہنوں میں وطن سے محبت کو جگاتے ہوئے اپنے ایک قول میں فرماتے ہیں: ''وطن سے محبت محض وطن

پرستی نہیں، بلکہ اسلام کا تقاضا بھی ہے۔''

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کا قول ہے: ''امن ایک بہت بڑی نعمت اور محبت بہت بڑی طاقت ہے۔'' فرماتے ہیں: ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے امکانی طور پر احتراز فرمایا اور صلح کو ترجیح دی۔ اللہ پر یقین رکھنے والے کو امن پسندی کی وجہ سے مومن کہا گیا ہے۔''

شہید حکیم محمد سعید کا قول ہے: ''علم کی شمع روشن رکھنا مسلمان کی پہچان ہے۔'' حکیم صاحب نے اپنے اس قول پر عمل کر کے بھی دکھایا، صحرا میں علم کا گلشن اُگایا اور بیابان میں علم کی قندیلیں روشن کیں۔ اس روشن فکر کے ساتھ ایک اور قول بھی ہے: ''چراغ کتنا ہی چھوٹا ہو، ساری دنیا کا اندھیرا بھی مل کر اسے بجھا نہیں سکتا۔'' وہ فرماتے ہیں کہ علم نور ہے اور مسلمان کے لیے اس کا حصول لازم ہے۔

کتاب کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے شہید حکیم محمد سعید کہتے ہیں: ''کتاب انسان کی بہترین رفیق و رہنما ہے۔ میں کہتا ہوں تم کتاب کھولو ترقی کا ہر دروازہ تم پر کھلتا چلا جائے گا۔'' نئی نسل کے لیے اس سے بہتر مشورہ نہیں ہوسکتا۔ قومی ترقی کے لیے آج ہر بچے اور نوجوان کے ہاتھ میں کتاب ہونی چاہیے۔ نئی نئی اشیا کی ایجادات میں جاپان کی سبقت اور عظیم الشان ترقی کا راز ہی یہ ہے کہ ہر جاپانی کے ہاتھ میں آپ کو ایک کتاب ملے گی۔ کتابوں کے بارے میں حکیم صاحب کا قول ہے: ''کتابیں ثمر دار درختوں کے باغ ہیں۔'' یہ حقیقت ہے کہ کتاب ذہن کے بند دریچے کھولتی ہے، انسانی سوچ کو نئی اور بہتر راہیں دکھاتی ہے اور یہی سوچ ایجادات کو جنم دیتی ہے۔

نونہالوں میں پڑھنے اور سوچنے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے شہید حکیم محمد سعید نے ''نونہال ادب'' کا شعبہ قائم کیا۔ بچوں کے لیے خود بھی کتابیں لکھیں اور دیگر مصنفین سے بھی لکھوائیں۔ بچوں کے لیے سفرنامے لکھے اور اردو ادب میں بچوں کے سفرناموں کی ایک نئی صنف کو رواج دیا۔

حکیم صاحب یہ بات بھی جانتے تھے کہ نونہالوں کے ذہنوں میں کہانیوں کے ذریعے ہی

حکمت و دانائی کی باتیں بٹھائی جاسکتی ہیں۔ پاکستان میں وہ پہلے ادیب تھے جنھوں نے بچوں کی ادبی ضروریات پر باقاعدہ توجہ دی۔ وہ اپنے سفرناموں کے ذریعے سادہ زبان میں بچوں سے باتیں کرتے تھے اور باتوں باتوں میں انھیں کام کی باتیں بتاجاتے اور ان کی معلومات میں اضافہ کردیتے۔ ان کا یہ قول مطالعے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے: ''مطالعہ ہر لمحہ ایک نئی بات عطا کرتا ہے۔''

حکیم صاحب کے اقوال ہر شعبۂ زندگی کا احاطہ کرتے ہیں مثلاً وہ صحافیوں کو مشورہ دیتے ہیں: ''قلم مقدس ہے، اس سے سچ کے سوا کچھ نہیں لکھنا چاہیے۔'' دولت مندوں سے فرماتے ہیں: ''دولت مندوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ کفن میں جیب نہیں ہوتی۔'' پاکستان سے گہری محبت ان کے ہر قول سے ظاہر ہوتی ہے۔

اشاعت تعلیم پر زور دیتے ہوئے حکیم صاحب فرماتے ہیں: ''جہالت دور کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایک سچا مسلمان اس سنت پر عمل کرنے سے کیسے غافل رہا جاسکتا ہے۔''

اشاعت و فروغ تعلیم کے لیے شہید حکیم محمد سعید کی تڑپ کا اندازہ ان کی اس خواہش سے لگایا جاسکتا ہے، جس کا اظہار انھوں نے بی بی سی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا تھا: ''میرا بس چلے تو میں پوری قوم کو دس سال میں تعلیم یافتہ بنادوں۔''

شہیدِ پاکستان کا یہ قول بھی بڑا معنی خیز ہے: ''غربت کا علاج یہ ہے کہ غربت اختیار کی جائے۔'' غربت اختیار کرنے سے حکیم صاحب کی مراد انتہائی سادگی اختیار کرنا ہے۔ سادگی سے قومی وسائل کی جو بچت ہوگی انھیں غربت کے خاتمے پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ اس قول کو دانش وروں نے بہت پسند کیا۔ حکیم صاحب سمجھتے ہیں کہ ملک میں موجودہ انتہائی غربت کو سادہ زندگی اختیار کر کے کم سے کم کیا جاسکتا ہے۔ فضول خرچی، بے جا نام و نمود اور فیشن کی دوڑ پر اس مقولہ پر عمل کر کے یقیناً قابو پایا جاسکتا ہے۔

کوا بچارا

کوے نے مٹکے سے پوچھا

تم آگ میں تپا کے بنائے جاتے ہو پھر بھی اتنی گرمی میں

اپنے اندر پانی کو کیسے ٹھنڈا رکھ پاتے ہو؟

مٹکے نے جواب دیا کہ

Vaporization ایک endothermic process ہے!

اس کے لیے H positive ہوتا ہے

میری outer surface پر small pores ہوتے ہیں جن پر

thermodynamics principle کے according

cooling effect generate ہوتا ہے!

یہ سننے کے بعد کوے نے طے کیا کہ

آج کہ بعد وہ ’’اپنے کام سے کام رکھے گا‘‘

آزاد پرندہ

جاوید اقبال

وین اسکول کے سامنے رکی۔ سارے بچے اُتر کر اسکول کی طرف چل دیے، مگر حسن اسکول کی جانے کے بجائے جنگل کی طرف جانے والے راستے کی طرف مڑ گیا۔ آج کلاس میں انگلش کے ٹیسٹ تھا اور وہ ذرا بھی تیاری نہیں کر سکا تھا۔ سر مصطفیٰ کی مار سے بچنے کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آج اسکول ہی نہیں جائے گا۔ تھوڑی دیر میں وہ جنگل کے سامنے پہنچ گیا۔ جنگل کے داخلی راستے پر سنہری حروف میں لکھا تھا: ”جادوئی جنگل۔“

حسن نے حیرانی سے یہ الفاظ پڑھے اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل میں چاروں طرف سبزہ پھیلا ہوا تھا اور رنگ برنگے پھول جگہ جگہ کھلے تھے۔ تتلیاں پھولوں پہ اُٹھلا رہی تھیں۔ پرندے چہچہا رہے تھے۔ چلتے چلتے حسن ایک آبشار کے سامنے پہنچ گیا۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی سے آبشار کا پانی نیچے گر رہا تھا اور نیلگوں پانی ندی میں بہہ رہا تھا۔ ندی میں کنول کے پھول تیر رہے تھے۔

حسن اس نظارے میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک جھاڑیوں سے ایک خرگوش نکل کر سامنے آ گیا۔ خرگوش نے پیارا سا نیلا ہیٹ پہنا ہوا تھا۔ پھر ایک گلہری گلابی ربن باندھے جھاڑی سے نکلی۔ رنگ برنگے تنکوں کا چھوٹا سا تاج پہنے ایک چڑیا بھی درخت سے اُتر کر نیچے آ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے پرندے اور جانور وہاں اِکھٹے ہو گئے اور حسن سے پوچھنے لگے: ''تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟''

وہ سب انسانوں کی زبان بول رہے تھے۔ حسن کو خوشگوار حیرت ہوئی وہ بولا: ''میں اسکول سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں۔ میں اس مشکل زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ ہر وقت پڑھائی، ہر وقت گھر کے کام، آئے روز ٹیسٹوں کی مصیبت، ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ۔ میں اب واپس اس دنیا میں نہیں جاؤں گا۔ جانوروں کی زندگی کتنی اچھی ہے۔ نہ پڑھنے کی مصیبت، نہ کاموں کی مشقت۔ کھایا پیا بھاگے دوڑے، تھک گئے تو آرام کیا۔ جہاں جی چاہا اُڑ کے پہنچ گئے۔ مجھے ایسی ہی زندگی چاہیے آزادی کی زندگی۔''

حسن کی بات سن کر خرگوش مسکرایا اور بولا: ''دیکھو حسن! دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ بہ ظاہر جو نظر آتا ہے، حقیقت میں ویسا ہوتا نہیں ہے۔ یہاں کی زندگی میں جو مشکلات ہیں تمھیں ان کا اندازہ نہیں ہے۔''

حسن بولا: ''جو بھی ہو میں اب واپس نہیں جاؤں گا۔ میں آزادی کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ ایک آزاد پنچھی جیسی زندگی۔''

جانوروں اور پرندوں میں آپس میں کچھ کھسر پسر کی، پھر گلہری اپنی عینک ٹھیک کرتی ہوئی بولی: ''ٹھیک ہے حسن! اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو ہم تمھاری آرزو پوری کر دیتے ہیں۔''

گلہری نے ایک درخت کو اشارہ کیا وہ درخت چل کے وہاں آ گیا درخت کی شاخوں پہ سرخ رنگ کے پھل لگے تھے۔ گلہری بولی: ''حسن! اس درخت سے ایک پھل توڑ کے کھالو پھر تم جو خواہش کرو

گے، پوری ہوگی۔''

حسن نے ہاتھ بڑھا کر ایک پھل توڑ لیا اور ایک خوب صورت پرندہ بننے کی آرزو کر کے پھل کھانا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے وہ پھل کھاتا جاتا، اس پر غنودگی طاری ہوتی جاتی۔ پھر نیند سے بوجھل ہو کر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ بیدار ہوا تو اسے احساس ہوا کہ وہ ایک پرندہ بن چکا ہے، ایک آزاد پرندہ۔

اچانک شور سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے دیکھا کہ سب جانور اور پرندہ افراتفری میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ چھوٹے جانور پناہ لینے کے لیے جھاڑیوں کی طرف بھاگے، جب کہ پرندے درختوں کی شاخوں میں چھپنے لگے۔ حسن حیرانی سے یہ سب دیکھ رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے سر کے اوپر پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑا سا پرندہ اس کے اوپر جھپٹنے والا ہے۔ حسن کے منھ سے خوف کے مارے چیخ نکل گئی۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے اُڑا اور ایک گھنے درخت کی شاخوں میں چھپ گیا۔ وہ بڑا سا پرندہ اپنی خوف ناک چونچ کھولے اسے ڈھونڈ رہا تھا اور حسن اس سے بچنے کے لیے شاخوں اور پتوں میں چھپ رہا تھا۔ ایک بار تو اس خوف ناک پرندے کی چونچ اس کے بالکل قریب آئی، مگر خوش قسمتی سے اس کے پَروں کا رنگ پتوں جیسا تھا، اس لیے پرندہ اسے نہ دیکھ سکا اور مایوس ہو کر ایک طرف کو اُڑ گیا۔ خطرہ ٹل گیا تھا، مگر کافی دیر تک اسے شاخوں سے نکلنے کا حوصلہ نہ ہوا، پھر ڈرتے ڈرتے وہ اپنی پناہ گاہ سے نکلا۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ وہ اُڑتا ہوا ندی کے کنارے آ گیا۔ جلدی سے پانی پیا۔ اس کے دل کو دھڑکا لگ گیا کہ وہ پرندہ پھر نہ آ جائے۔ یہ آزادی اس کے لیے مصیبت بن گئی تھی۔ وہ پھر درخت پر آ کے چھپ گیا۔ یونہی شام ہوگئی۔ اسے یاد آیا شام کو گھر میں چاے کا دور چلتا تھا۔ ساتھ سموسے اور بسکٹ ہوتے تھے۔ رات کو مزے دار کھانا سب مل کر کھاتے تھے، پھر وہ کارٹون دیکھتا اور نرم بستر پر سو جاتا، مگر یہاں اندھیری رات تھی اور سناٹا تھا اور سونے کے لیے درخت کی کھردری شاخ تھی۔ یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی کوئی چیز بُری طرح اسے کاٹ رہی تھی۔ چاند کی چاندنی میں اس نے دیکھا بہت سے سرخ چیونٹیاں اس کے جسم سے چمٹی ہوئی تھیں اور اسے کاٹ رہی تھیں۔

اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنے پَروں کو زور زور سے پھڑ پھڑایا، مگر چیونٹیاں بُری طرح اسے چمٹی ہوئی تھیں۔ وہ درخت کے کھردرے تنے پہ لوٹ پوٹ ہو گیا۔

تب کہیں چیونٹیوں نے اس کی جان چھوڑی۔ وہ اُڑ کے درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھا اور باقی رات جاگ کے گزار دی۔ صبح ہوئی تو اس نے سکھ کا سانس لیا وہ درخت سے نیچے اُترا ایک جھاڑی میں اسے چھوٹا سا کیڑا نظر آیا۔ اس دیکھ کر اس کی بھوک چمک اُٹھی۔ وہ کیڑے کو کھانے کے لیے اس کی طرف لپکا۔ اچانک اس کی نظر کیڑے کے پیچھے بڑی سی بلی پر پڑی، جو اس پر نظریں جمائے اپنا پیٹ زمین سے لگائے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ حسن کیڑے کو بھول کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا۔ بلی نے اُچھل کر اس پر چھلانگ لگائی۔ اس کا پنجہ اس کے پَروں سے چھو گیا، مگر وہ بال بال بچ گیا۔ اسی وقت درخت کے اوپر سے ایک سیاہ پرندے نے غوطہ لگایا اور حسن کو اپنے پنجوں میں دبوچ لیا۔ خود کو پرندے کے شکنجے میں دیکھ کر حسن کے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی۔

اچانک حسن کے کانوں میں اس کی ماما کی آواز پڑی: ''کیا ہوا حسن! میرے بچے!''

حسن نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے خود کو اپنی امی کے قریب پایا۔

''کیا کوئی خواب دیکھا ہے میرے بیٹے نے؟'' امی نے پوچھا۔

''ہاں امی! بہت خوف ناک خواب تھا۔'' حسن نے اپنی ماما کی آغوش میں سمٹتے ہوئے کہا۔

اس کی امی پیار سے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیر رہی تھیں اور حسن سوچ رہا تھا۔ یہاں کتنا تحفظ ہے۔ بے چارے جانوروں اور پرندوں کو زندہ رہنے کے لیے کیسے کیسے خطروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موت قدم قدم پر ان کا پیچھا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنا کر ہم پر احسان کیا ہے۔ اس کے ساتھ انسان ہونے کے ناطے کچھ ذمے داری بھی ہم پہ ڈالی گئی ہے۔ یہ ذمے داریاں، کچھ فرائض ہمیں عمدہ طریقے سے نبھانا ہے۔ تبھی ہم اچھے انسان کہلا سکتے ہیں۔

بِھن بِھن ، پَیں پَیں

توصیف تبسم

ایک تھی شہد کی مکھی بِھن بِھن ، ایک تھا بھونرا پَیں پَیں
اک دن دونوں پھول پہ بیٹھے کرتے تھے کچھ باتیں

بھونرا بولا: ''مکھی آپا! کہاں رہیں اتنے دن؟''
شہد کی مکھی بولی: ''بھیا! کام بہت تھا بِھن بِھن

دنیا کے سب کام ہوئے ہیں تھوڑے تھوڑے کر کے
سردی میں آرام کروں گی شہد سے چھتا بھر کے''

بھونرے نے یہ بات سُنی تو پَروں کو پہلے تولا
پَیں پَیں کر کے چکر کاٹا ، آ کر پھر یوں بولا:

''تم تو اپنا گھر بھرتی ہو ، ذرہ ذرہ چُن کر
پتّا پتّا باغ کا خوش ہے میرا گانا سن کر

میرے کالے پَر چمکیلے ، دُم بھی میری کالی
پھر کیوں مجھ سے بڑھ کر چاہے تم کو باغ کا مالی؟''

مکھی بولی: ''آج تمھیں اک راز کی بات بتاؤں
جو کچھ میں نے خود سمجھا ہے ، تم کو بھی سمجھاؤں

شہد کی خاطر دنیا کو ہے میرا ڈنک گوارا
خالی باتیں کام نہ آئیں ، کام ہے سب کو پیارا۔''

پاس کھڑا اک ننھا بچہ ، سنتا تھا یہ باتیں
شہد کی مکھی بِھن بِھن بولی ، بھونرا بولا پَیں پَیں

ذہانت یہ نہیں کی آپ فرق تلاش کرلیں۔

ذہانت یہ ہے کہ آپ ایک منٹ میں ۸ فرق تلاش کریں۔

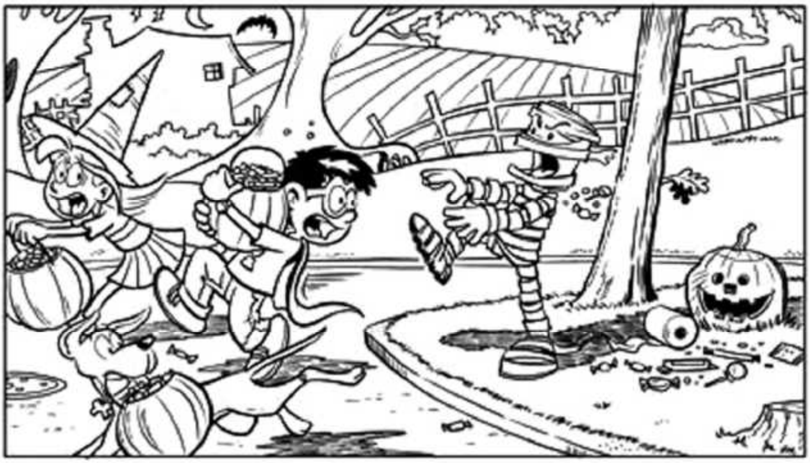

نونہال **مشاعرہ**

موضوع: ''یاد''

منتخب کردہ موضوع پر ملنے والے اشعار سے اندازہ ہوا کہ ہمارے نونہال کتنا اچھا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ خیال رہے کہ شعر اخلاق سے گرا ہوا نہ ہو۔

آیندہ ماہ فروری ۲۰۲۰ء کے لیے موضوع ہوگا'' **خدا** ''

(ادارہ)

ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

شاعر: مرزا غالب

پسند: سید محمد حسین شاہ، لطیف آباد/ سیدہ ماہم، کراچی

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

شاعر: اختر انصاری دہلوی

پسند: کبشہ ادریس، کراچی/ رقیہ محمد عقیل شاہ، لیاری

وہ تجھے بھول گئے، تجھ پہ بھی لازم ہے میرؔ
خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر

شاعر: میر تقی میرؔ پسند: جویریہ اریکا مصطفیٰ، کراچی

اس کو ناقدریِ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر چکے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

شاعر: نرائن چکبست پسند: ناعمہ تحریم ملیر، ہالٹ

وہ ہمیں بھی یاد رکھیں جب لکھیں تاریخ گلشن کی
کہ ہم نے بھی لٹایا ہے چمن میں آشیاں اپنا

شاعر: جگ مراد آباد پسند: مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ

بدل ہی جاتا ہے غربت میں آدمی کا مزاج
کبھی کبھی ہمیں دشمن بھی یاد آتے ہیں

شاعر: اقبال عظیم پسند: شائلہ ذی شان، ملیر

ایک مدت سے تیری یاد بھی نہ آئی ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

شاعر: فراق گورکھپوری

پسند: زُنیر بن اشعر، کراچی/ تفسیر حیدر تفسیر، سرگودھا

یاد رکھنا ہی محبت نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے

شاعر: جمال احسانی پسند: مقدس بنتِ جبار خان

نونہال خبرنامہ

خرم فرخی

گھٹنوں کے بَل

ہر دور کے انسانوں کا آپس میں مقابلہ ہوتا رہا ہے۔ نوجوان آپس میں طرح طرح کے مقابلے کرتے ہیں۔ بڑوں نے اب ننھے بچوں کو بھی مقابلے کے لیے تیار کرلیا ہے۔ چند ماہ قبل یوکرین میں ننھے بچوں کے درمیان گھٹنوں کے بَل دوڑنے کا مقابلہ منعقد کیا گیا۔ اس مقابلے میں آٹھ سے اٹھارہ ماہ کی عمر کے بچوں کو شامل کیا گیا تھا۔ حاضرین ان کی معصومانہ اداؤں سے بھی محظوظ ہوئے اور داد دے کر حوصلہ افزائی بھی کی۔ بچوں کے ساتھ ان کے والدین بھی موجود تھے۔

اسمارٹ فون اور پیزا

اسمارٹ فون اور ٹیبلٹ کے بے تحاشا اور غیر ضروری استعمال کے نقصانات سے پوری دنیا واقف ہوچکی ہے۔خاص طور پر بچوں کی ذہنی اور جسمانی صحت سخت خطرے میں ہے۔امریکا کے مشہور پیزا برانڈ نے اعلان کیا ہے کہ ان کی دکان سے آپ مفت پیزا کھا سکتے ہیں،مگر شرط یہ ہے کہ دکان میں داخل ہوکر آپ سمارٹ فون اور ٹیبلٹ استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کے بجائے آپ ایک دوسرے سے گفتگو کیجیے۔مفت پیزا کھانے کے لیے دکان میں داخل ہوتے ہی وہاں بنے لاکرز میں فون رکھنے

ہوں گے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد وہ آپ کو واپس مل جائیں گے۔ کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ لوگ دوستوں اور اہلِ خانہ سے بھی کچھ دیر بات چیت کر لیا کریں اور ان آلات سے نکلنے والی تاب کاری سے بھی محفوظ رہیں۔

روبوٹ فن کارہ

روبوٹ ٹیکنالوجی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ تصویر میں نظر آنے والی یہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ ایک روبوٹ (مشین) ہے۔ حال ہی میں برطانیہ نے مصنوعی ذہانت رکھنے والی اس روبوٹ فن کارہ کی نمائش کی ہے۔ اس کی آنکھوں میں کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے ہاتھ سے کینوس پر تصاویر بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس فن کارہ کی بنائی ہوئی تصاویر، مجسموں اور دیگر فن پاروں کی نمائش بارن آرٹ گیلری میں پہلی بار کی گئی۔

حساس طبی اسٹیکر

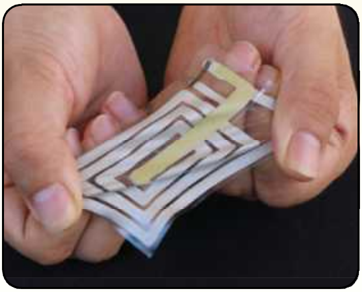

انسانی صحت کی بہتری کے لیے بھی طبی ماہرین جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس سلسلے میں جِلد پر چپکنے والا ایک ایسا حسّاس اسٹیکر ایجاد کیا ہے جو ایک جانب تو غصے میں، جلد پر آنے والی سرخی جیسے عمل پر نظر رکھتا ہے تو دوسری طرف دل کی دھڑکن کی تفصیلات کسی تار کے بغیر ڈاکٹر یا کپڑوں پر لگے ریسیور تک پہنچاتا ہے۔ یہ آلہ اسٹین فرڈ یونی ورسٹی کی پروفیسر ''زینان باؤ'' نے تیار کیا ہے، جو کیمیائی انجینئرنگ کی ماہر ہیں۔ اس آلے سے جسمانی کیفیت کی بنا پر نبض کی رفتار، سانس کی رفتار اور دل کی دھڑکن درست انداز میں معلوم ہو جاتی ہے۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال نومبر ۲۰۱۹ء میں ثمینہ پروین کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجا ہے۔ میر پور خاص کی نونہال اسما خان سمیت کئی نونہالوں نے بہت عمدہ لکھا، لیکن چوں کہ کوپن پر پورا پتا نہیں لکھا تھا، اس لیے ان کا انتخاب نہ ہو سکا۔

۱۔ شامتِ اعمال : ناعمہ تحریم، کراچی

۲۔ شعورلاشعور : فاطمہ شہباز، اٹک

۳۔ گم شدہ نمبر : محمد عبداللہ اعجاز، میاں چنوں

﴿ چند اور اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

انوکھا مریض۔ کامل فن۔ چہرہ شناس۔ خفیہ نمبر۔ ہندسوں کا کھیل۔ بھولا ہوا نمبر۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں دل چسپ عنوانات بھیجے

☆ کراچی: ہما ساجد خان، ردا حمید، محمد عاقب مصطفیٰ، وردہ مصطفیٰ، حمیرا، آمنہ بختاور، ضوفشاں، بشریٰ خاتون، علینا اختر، رباب فاطمہ، مصامص شمشاد غوری، محمد سعد حسن نوید، سیدہ ناہید نرگس، اشعر معراج، راد بشیر، سحرش علی بیلا، ایمن ناز، شایان احمد، سیدہ مسکان ندیم علی، محمد اسامہ رفیق، عبیرہ صابر، فاطمہ ناہید، سیدہ عفان احمد، حافظ عبداللہ کھتری،

احتشام الدین، زینب سلیم، عفان احمد انصاری، محمد سفیان فیصل، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید محمد احمد، رقیہ محمد عقیل شاہ، محمد عزیر اسلم ☆ حیدرآباد: امامہ تجمل، مقدس جبار خان، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ نواب شاہ: محمد عاصم، ثانی زہرا ☆ پرانا سکھر: محمد حسیب، محمد حسن ☆ میرپورخاص: جنید احمد تحسین، اسما خان ☆ اوڈیرو لال اسٹیشن: راحیل خان بہلم پٹھان، شیر جان بہلم پٹھان، نیلوفر خان بہلم پٹھان ☆ لاہور: مہ نور ذی شان یٰسین، حفصہ سجاد، ارحم ذی شان یٰسین، امتیاز علی ناز، محمد ابراہیم زاہد ☆ راولپنڈی: نور العین، زہرا نور بٹ، محمد معاذ حفیظ، وردہ نعیم ☆ پشاور: دعا خان ☆ ملتان: محمد صالح تیمور ☆ قصور: عبدالرحمان عبداللہ ☆ ٹنڈو الہیار: مدثر آصف کھتری ☆ کوہاٹ: اُمیمہ قاسم ☆ ڈیرہ نواب صاحب: مصباح آصف ☆ میرپور آزاد کشمیر: اصبح احمد ☆ نوشہرہ: محمد عقیل اعوان ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر ☆ اسلام آباد: عتیقہ جمیل ☆ سانگھڑ: تسبیحہ شکیل احمد شیخ منصوری ☆ بہاول پور: محمد خرم رفیق پریاڑ ☆ ٹنڈو جان محمد: سانیہ شاہ ☆ مظفر گڑھ: محمد یحیٰی خان لغاری ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ اسلام آباد: حافظ محمد اشتیاق سرور اعوان۔

دو اہم باتیں:

☆ انعامی کوپن الگ الگ کاپی سائز کاغذ پر چپکایا کریں۔ تینوں کوپن ایک صفحے پر لگانے سے باقی دو ضائع ہو جاتے ہیں۔

☆ اکثر نونہال اپنا ڈاک کا پورا پتا نہیں لکھتے اس لیے قرعہ اندازی میں شریک ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ شہر، تحصیل اور صوبے کا نام بھی ضرور لکھیے۔

نونہال مصوّر

محمد ارسلان ساجد، راولپنڈی

سیدہ فاطمہ شعیب، کراچی

رقیہ محمد عقیل شاہ، کراچی

محمد بلال آصف، ڈیرہ نواب صاحب

فاطمہ نعیم، کراچی

ہنیہ کلیم، لاہور

عبداللہ کلیم، لاہور

سید محمد احمد، کراچی

مصباح آصف، ڈیرہ نواب صاحب

احمد آصف، ڈیرہ نواب صاحب

صائم نعیم، کراچی

اصبح احمد، مظفر آباد

نور العین فاطمہ، راولپنڈی

علشبہ آصف، ڈیرہ نواب صاحب

فاطمہ سراج، کراچی

موسیٰ خان، ہری پور

وہ ایک مکان

عائشہ تنویر

سفید و سبز سنگِ مرمر کا بنا وہ خوب صورت مکان ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی توجہ کا مرکز تھا۔ بارہ سال کا نصیر اس بڑے اور اونچے مکان کو دیکھنے میں محو تھا۔ مکان کی پیشانی پر واضح الفاظ میں ''فردوس برزمیں''، یعنی زمینی جنت، کندہ تھا۔ خطاطی کے انداز میں لکھے ہوئے یہ الفاظ جب اس نے پہلی بار پڑھے تو امی سے ان کے معنی پوچھے تھے۔ اچانک اس مکان کا بڑا دروازہ کھلا، ایک گاڑی نکلی تو پیچھے سبز گھاس اور رنگ برنگے پھولوں سے سجے لان کے منظر کو اس نے مزید دل چسپی

اور خوشی سے دیکھا، پھر دروازہ بند ہو گیا۔

یہ مکان واقعی جنت کا ٹکڑا تھا۔ اس کے اندر جانے اور رہنے کا شوق نصیر کے دل میں سر اُٹھانے لگا۔ سوچوں میں مگن اسے اپنے ہاتھ میں کھنچاؤ کا احساس ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا تھیلا خاصا وزنی تھا۔ جسے مین بازار تک اُٹھا کر لے جانا تھا۔ وہ مکان پر حسرت سے نظر ڈال کر اپنے راستے پر چل دیا۔

نصیر نو سال کا تھا، جب اس کے ابو کا انتقال ہو گیا۔ اس کی امی لوگوں کے کپڑے سلائی کر کے گھر کا خرچ چلا رہی تھیں۔ نصیر کی تعلیم کے اخراجات اس محدود آمدنی سے پورا کرنا ممکن نہیں ہوئے تو انھوں نے بچوں کے کپڑے سلائی کر کے دوکانوں تک پہنچانے کا کام شروع کیا۔ نصیر بھی اسکول سے آ کر امی کی مدد کرتا۔ اب تو وہ اچھی خاصی سلائی کر لیا کرتا تھا۔ پھر امی کے ساتھ بازار جانا یا دکان داروں سے آرڈر لینے جانا بھی اسی کا کام تھا۔

امی نے اسے ہمیشہ یہی سکھایا کہ مانگنے کے سوا کسی کام میں عار نہیں۔ ہاتھ سے محنت کر کے رزق حلال کی کوششیں کرنے والے اللہ پاک کی رحمت پاتے ہیں۔

بازار آتے جاتے جب بھی نصیر کو وہ مکان نظر آتا، وہ وہیں ٹھیر جاتا۔

''ایک دن میں بھی ایسا ہی مکان بناؤں گا۔'' وہ خود سے عہد کرتا۔

دن گزرتے رہے۔ نصیر اب کالج جانے لگا تھا۔ ساتھ ہی اپنے کارخانے کے انتظامی امور بھی سنبھالتا تھا۔ ان کا سلائی کا کام اب کافی پھیل گیا تھا۔ امی نے سلائی میں مدد کے لیے کاریگر رکھ لیے تھے۔ وہ خود سارا کام جانتی تھیں۔ گھر میں ہی قائم چند مشینوں والا یہ چھوٹا سا کارخانہ ان کی بڑی کامیابی تھی۔

اب بھی وہ آتے جاتے اس خوب صورت مکان کو ضرور دیکھتا۔ گزرتے وقت کے ساتھ مکینوں کی لاپروائی سے مکان کا بیرونی سفید پتھر اب قدرے گدلا ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود مکان اپنے منفرد

Press ad

Page 80

طرزِ تعمیر کی وجہ سے خوب صورت لگتا تھا۔ اس مکان سے نصیر کی محبت آج بھی برقرار تھی۔
آخر وہ دن بھی آ گیا، جب نصیر بچوں کے کپڑے بنانے والی ایک بڑی فیکٹری کا مالک بن چکا تھا۔ اس کے پاس برسوں کی محنت و تجربے کے ساتھ تعلیم کا زیور تھا۔ اب اس نے اتنے پیسے جمع کر لیے تھے کہ ایک اچھا گھر خرید سکے۔ ویسا ہی سفید رنگ کا پُرسکون مکان یا شاید وہ ہی گھر جو اس کی محبت تھا، مگر کیا گھر والے بھی اپنا گھر بیچنا چاہیں گے یا نہیں، وہ نہیں جانتا تھا۔
آخر ایک دن وہ اپنے بچپن کی خواہش پوری کرنے اس گھر کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔
دو بار گھنٹی بجائی تو ملازم نے دروازہ کھولا۔
''اشرف صاحب کا گھر ہے۔'' نصیر نے دروازے پر لگی تختی پر لکھا نام دہرایا۔
''جی، آپ بڑے صاحب سے ملنے آئے ہیں۔'' ملازم چونک گیا۔ اس کے لہجے میں تعجب تھا۔
''جی۔''
نصیر نے مختصر جواب دیا۔ اب وہ دروازے پر کھڑے ہو کر کیا تفصیل بتاتا۔ ملازم اسے اندر لے آیا۔ نصیر نے اطراف میں نگاہ دوڑائی تو اس کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ برسوں پہلے کا تر و تازہ لان غائب تھا۔ پیلی پڑی ہوئی جگہ جگہ سے اُدھڑی گھاس، سوکھے پودے اور خشک تالاب ایک ویران منظر پیش کر رہا تھا۔ ملازم کی رہنمائی میں وہ چلتا ہوا اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مکان کی حالت اس کے مالکوں کی عدم توجہ ظاہر کر رہی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ملازم ایک اجنبی کو کیوں اسے اندر لیے چلا جا رہا تھا۔ کچھ بات تو ضرور تھی۔
''یہ بڑے صاحب کا کمرا ہے۔''
ایک دروازے پر رک کر اس نے دروازہ بجا کر جواب کا انتظار کیے بغیر کھول دیا۔ اندر موجود بیڈ پر ایک کم زور سے بزرگ نیم دراز تھے۔ نصیر انھیں سلام کرتا اندر داخل ہوا۔ انھوں نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا۔

نصیر ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ان کی پُرشفقت مسکراہٹ سے متاثر ہو کر وہ انھیں اپنے بارے میں سب تفصیل بتاتا چلا گیا۔ وہ اس کی محنت و لگن سے حاصل کام یابی کی داستان سن کر بہت خوش ہوئے۔

''واہ جوان، خوب ترقی کرو گے، محنت کبھی ضائع نہیں ہوتی۔''

وہ مسلسل اسے سراہتے رہے۔

''آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں؟''

ان کی گفتگو سے ہمت پا کر اس نے سوال کیا۔

''میرا بیٹا لندن میں ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں بھی اس کے پاس وہیں آ جاؤں، مگر میں ملک چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اب ٹانگوں میں تکلیف کے باعث خود سے اِدھر اُدھر حرکت کرنا مشکل ہے سو ملازموں کے رحم و کرم پہ ہوں۔ عرصے سے کوئی مجھ سے ملنے نہیں آیا۔ اسی لیے ملازم اتنے آرام سے تمھیں اندر لے آیا۔''

انھوں نے بتایا تو نصیر نے جھرجھری سی لی۔ قدرت نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔ پیسے جمع کرنا، اس مکان میں رہنا اس کا خواب تھا اور وہ پیسوں کے ڈھیر کے ساتھ بھی اس گھر میں کتنے تنہا تھے۔

''مجھے بچپن سے آپ کا گھر بہت پسند تھا۔ اکثر میں کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہتا۔ اسے خریدنا، اس میں رہنا میرا خواب تھا۔ اب یہ ویسا خوب صورت نہیں رہا۔ میں تو اندر آتے ہوئے اُجڑے ہوئے لان کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔''

اس نے غیر ارادی طور پر ان سے یہ بات کہہ دی۔

''میرا یہ ملازم اشرف بچپن سے ہمارے ساتھ ہے، شاید اس لیے خیال کر لیتا ہے ورنہ باقی سارے ملازمین تو توجہ نہیں دیتے۔ میرے لیے اب ان کی نگرانی ممکن نہیں ہے۔'' انھوں نے یہ بات بھی مسکرا کر ہی کہی تھی۔

''تم یہ گھر خریدنا چاہتے ہو؟'' انھوں نے پوچھا تو نصیر نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ ایک بار پھر مسکرائے: ''میں اسے بیچنا نہیں چاہتا۔ البتہ میں تمھیں ایک شرط پر دے سکتا ہوں۔''

''آپ گھر نہیں بیچنا چاہتے تو کوئی بات نہیں، میں اسے شرطوں پر یا مفت میں نہیں لے سکتا۔''

اس نے بات ختم کرنا چاہی، مگر وہ اس پر راضی نہ تھے۔

''شرط تو سن لو پہلے۔''

نصیر سر ہلا کر ان کی بات سننے لگا۔

وہ دھیرے دھیرے کچھ کہہ رہے تھے۔ اسے سمجھا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

تھوڑی دیر میں ہی وہ دونوں مشورہ کر کے تفصیل سے کاغذ پر کچھ نکات درج کرنے لگے۔

کچھ عرصے میں ہی نصیر نے گھر کی شکل بدل دی تھی۔ اب وہ ایک بار پھر سے چمکتا دمکتا گھر تھا۔

اشرف صاحب جنھیں وہ انکل کہتا تھا، اس کی کارکردگی سے بہت خوش تھے۔ اپنی فیکٹری کے ساتھ وہ ان کے منصوبے کو بھی پورا وقت دے رہا تھا۔

گھر میں ایک حصہ رہنے کے لیے مختص کیا گیا۔ جہاں انکل کے اصرار اور کام کی نگرانی کے لیے نصیر اپنی امی کے ساتھ رہنے لگا تھا۔

گھر کی پچھلی جانب ایک حصے میں بے سہارا خواتین کے لیے مفت سلائی سکھانے کا مرکز اور بزرگوں کے لیے مفت رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا۔ انکل کے چہرے پر زندگی کی بہار آ گئی تھی۔ وہ باہر نکلتے، سب سے باتیں کرتے اور ان کے مسائل سنتے تھے۔ ایک چھوٹے سے حصے میں بیماروں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ اب یہ گھر بے سہارا لوگوں کی جنت بن گیا تھا۔ اُجڑے ہوئے گھر میں ایک بار پھر بہار آ گئی تھی۔

انعامی سلسلہ ۲۸۹

معلومات افزا

س۔ف

درجِ ذیل ۱۰ سوالات کے جوابات **۱۵ جنوری ۲۰۲۰ء** سے قبل بھجوا دیں۔ جواب کے ساتھ کوپن کا آنا ضروری ہے۔ تمام درست جواب دینے والے پندرہ نونہال انعام کے حق دار ٹھہریں گے۔ تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں انعام کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔

۱ محترم حافظ عبدالمجید نے یکم اگست ۱۹۰۶ء کو .... میں ہمدرد دواخانہ قائم کیا۔ (بمبئی ۔ دہلی ۔ آگرہ)

۲ حکیم محمد سعید ۹ /جنوری ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ اس روز جمعہ تھا اور اسلامی تاریخ ۱۷ /ربیع الثانی .... ہجری تھی۔ (۱۳۳۶ء ۔ ۱۳۳۸ء ۔ ۱۳۴۰ء)

۳ جناب حکیم عبدالحمید اپنے بھائی حکیم محمد سعید سے .... سال بڑے تھے۔ (گیارہ ۔ بارہ ۔ تیرہ)

۴ شہید حکیم محمد سعید کی اہلیہ محترمہ کا نام .... تھا۔ (عظمت بیگم ۔ حشمت بیگم ۔ نعمت بیگم)

۵ ۱۴ /اگست ۱۹۸۵ء کو کراچی میں ہمدرد طبیہ کالج کا افتتاح .... نے کیا تھا۔
(بیگم رعنا لیاقت علی خاں ۔ فاطمہ جناح ۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ)

۶ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے بچوں کے لیے رسالہ ہمدرد نونہال جولائی .... میں جاری کیا۔
(۱۹۵۲ء ۔ ۱۹۵۳ء ۔ ۱۹۵۴ء)

۷ ۱۷ /جون ۱۹۸۵ء کی مدینۃ الحکمہ میں ہمدرد یونی ورسٹی کا سنگِ بنیاد .... نے رکھا تھا۔
(جنرل ضیاء الحق ۔ جناب نواز شریف ۔ جنرل حمید گل)

۸ حکیم محمد سعید نے گورنر سندھ کی حیثیت سے .... یونی ورسٹیوں کی منظوری دی تھی۔ (۴ ۔ ۵ ۔ ۶)

۹ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کو شہادت کے بعد ۱۴ /اگست ۲۰۰۰ء کو .... سے نوازا گیا تھا۔
(نشانِ پاکستان ۔ نشانِ امتیاز ۔ نشانِ استقلال)

۱۰ حکیم محمد سعید کے یومِ پیدائش کے حوالے سے پاکستانی بچوں کا پہلا قومی دن ۹ /جنوری .... کو منایا گیا۔
(۱۹۹۹ء ۔ ۲۰۰۱ء ۔ ۲۰۰۳ء)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۸۹ (جنوری ۲۰۲۰ء)

نام : ....

پتا : ....

عمر : .... تعلیم : ....

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (جنوری ۲۰۲۰ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

عمر : .... تعلیم : ....

کوپن برائے نام بوجھیے (جنوری ۲۰۲۰ء)

نام شخصیت : ....

نام نونہال : .... عمر : .... تعلیم : ....

پتا : ....

ایک کوپن، ایک نونہال کے لیے ہے۔ ایک ہی عنوان لکھیے۔
اپنا پتا صاف اور خوش خط لکھیے۔ کوپن کو A4 سائز کے کاغذ پر چسپاں کیجیے اور
۱۵ جنوری ۲۰۲۰ تک بھجوا دیجیے۔

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا مفت طبی معائنہ کرنے کے بعد مفت ادویات بھی دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی ،لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کے لیے مخصوص ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

نیا سال مبارک ہو!

غلام حسین میمن

نئے سال ۲۰۲۰ء کا آغاز آپ سب کو مبارک ہو۔ سال کے آغاز سے ہی آپ کو اس بات کی تیاری کرنی ہوگی کہ کون کون سے کام آپ کو اس سال مکمل کرنے ہیں۔ پہلے تو آپ کو مارچ یا اپریل میں ہونے والے سالانہ امتحانات پر بھرپور توجہ دینی ہے۔ یعنی اس کی تیاری کے لیے آپ کو منصوبہ بندی کرنی ہے۔ نہ صرف کلاس میں، بلکہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر بھی امتحانات کی تیاری کریں۔
اس سال کے آغاز سے آپ یہ عزم کرلیں کہ آپ روزانہ کی ڈائری لکھیں گے۔ ہر رات سونے سے پہلے دن بھر کی مصروفیات کا روزنامچہ آپ کو سال کے آخر میں کام یابیوں کی شرح سے آگاہ

کرے گا اور پھر آیندہ سال کی منصوبہ بندی میں مددگار بھی ہوگا۔ روز نامچہ یا ڈائری میں کیا لکھیں یا کیسے لکھا جائے، جیسا کہ آپ کے دوست اور ہمدرد شہید حکیم محمد سعید ''سچی کہانی'' میں لکھا کرتے تھے۔ اس میں اُن کی روزانہ کی مصروفیات کا دل چسپ حال موجود ہے۔ آپ بھی اپنے دن بھر کے کام کی تفصیل اور آیندہ کے ارادے اُس میں درج کریں۔

اس کے ساتھ ہی اس بات کی منصوبہ بندی کرنا شروع کر دیں کہ سالانہ امتحانات کے بعد کیا کریں؟ یقیناً امتحانات کے بعد اچھی کام یابی کی سند نہ صرف آپ کے لیے بلکہ آپ کے گھر والوں کے لیے خوشی کا سبب بنے گی۔

رمضان المبارک کے مہینے میں آپ کو یہ ارادہ کرنا ہے کہ مجھے اس سال تمام روزے رکھنے ہیں۔ اس دوران زیادہ وقت عبادت اور تلاوتِ کلامِ پاک میں گزارنا چاہیے۔ نیند بھی ضرور پوری کرنی چاہیے تاکہ آنے والے دن کے لیے چاک چوبند رہیں۔

ملک کے کچھ علاقوں میں جون اور جولائی اور کہیں جون تا اگست تک موسمِ گرما کی تعطیلات ہوں گی۔ آپ اپنے وسائل میں رہتے ہوئے ممکن ہو تو والدین کے ہمراہ سیر و تفریح کا پروگرام بھی بنا سکتے ہیں۔ تفریح ہمارے جسم کے لیے ہی نہیں فائدہ مند ہیں، بلکہ دماغ کو بھی تازگی عطا کرتی ہے۔ سفر انسانی زندگی میں معلومات اور مشاہدات کے کئی دَر کھولتا ہے۔ سفر میں زندگی کے نت نئے رنگ نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس کائنات کے یہ سب رنگ ہمارے منتظر ہیں۔ اگر ممکن ہو تو گھر والوں کے ساتھ مل کر تعطیلات میں تفریحی اور تاریخی مقامات کی سیر کا پروگرام بنائیں۔ ملک کے دیگر شہروں میں جا کر وہاں کی زندگی کے مختلف رنگ دیکھیں۔

اگست کا مہینا پاکستان کی آزادی کی سال گرہ کا مہینا ہے۔ اس موقع پر جہاں ملک بھر میں جشنِ آزادی کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، وہیں مختلف اسکولوں اور کالجوں میں بھی تقاریر، ملی نغمے اور

کوئز کے مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں۔آپ بھی ان میں حصہ لینے اور کام یابی حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کیجیے۔خوب تیاری کے ساتھ بھرپور حصہ لینے کا عزم کیجیے۔ان مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے آپ کو اپنے اساتذہ سے مدد لینے کے ساتھ ساتھ مختلف لائبریریز میں جا کر کتابوں کو پڑھنا ہوگا۔اس طرح آپ لائبریری سے بہتر طور پر فائدہ اُٹھانا بھی سیکھ لیں گے۔ان مقابلوں کا مقصد آزادی کی تحریک کی داستان اور اس دوران دی جانے والی قربانیوں سے طالب علموں کو آگاہی دینا ہے۔

ستمبر کے مہینے میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کی یاد اور قائداعظم محمد علی جناح کی برسی منائی جاتی ہے۔اس کے بعد اکتوبر کے مہینے کی ۱۶ تاریخ قائد ملت لیاقت علی خاں کی شہادت اور ۱۷/اکتوبر کو ہم سب کے محبوب قائدِ نونہال حکیم محمد سعید کی شہادت کا دن ہے۔

ان محبوب ہستیوں کی پاکستان سے محبت اور ان کے اقوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان پر عمل کرنے کا عزم کریں۔۱۷/اکتوبر سرسید احمد خاں کی سال گرہ کا دن بھی ہے۔

۹/نومبر علامہ محمد اقبال کی سال گرہ اور ۲۵/دسمبر قائداعظم محمد علی جناح کی سال گرہ کا دن ہے۔

ان عظیم شخصیات کے پیغام کو بھی یاد رکھیں اور ان کے افکار کے مطابق چلنے کا عہد کریں۔اس دن کے حوالے سے اپنے تعلیمی اداروں میں منعقد ہونے والے مختلف پروگرامز میں حصہ لینے کے لیے خود کو تیار رکھیے۔

آپ طالب علم ہیں، اس لیے آپ کو کتاب دوست ہونا چاہیے۔نصابی کتب کے علاوہ معلومات، کہانیاں اور خوب صورت اشعار کی کتابیں آپ کے مطالعے میں رہنی چاہییں اس کے علاوہ آپ مختلف کام یاب لوگوں کی سوانح پڑھنے کو بھی اپنا معمول بنائیں۔اپنے شہر میں ہونے والی کتابوں کی نمائشوں میں ضرور جائیں اور اپنے وسائل میں رہتے ہوئے کتابیں خریدیں اور نئے سال میں اچھی لائبریری بنانے کا آغاز کریں۔

جوابات معلومات افزا - ۲۸۷

نومبر ۲۰۱۹ء میں شائع ہونے والے معلومات افزا-**۲۸۷** کے درست جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔اس بار تمام درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد **۱۵** سے زیادہ تھی،اس لیے قرعہ اندازی کر کے **۱۵** نام نکالے گئے۔ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ حضرت صفیہؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، جو بہت اچھے اشعار کہتی تھیں۔
۲۔ ۱۹/جولائی ۱۹۶۴ء کو رومی بادشاہ نیرو نے اپنے ہی شہر کو آگ لگوادی تھی۔
۳۔ قائداعظم کے مزار کا سنگِ بنیاد ۱۳/جولائی ۱۹۶۰ء کو رکھا گیا تھا۔
۴۔ پاکستان کے پہلے ساحلی جہاز قاسم کا افتتاح لیاقت علی خاں نے ۱۵/اپریل ۱۹۴۸ء کو کیا تھا۔
۵۔ کنول کے پھول کا دوسرا نام نیلوفر ہے۔
۶۔ کیکڑے کی دس ٹانگیں ہوتی ہیں۔
۷۔ ۱۹۶۴ء میں جدید اولمپک کھیل جاپان میں منعقد ہوئے۔
۸۔ محمد ثناءاللہ ڈار، مشہور شاعر میرا جی کا اصل نام ہے۔
۹۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''آنکھوں سے دیکھا، نہ کانوں سے سنا''
۱۰۔ حضرت امیر مینائی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

زیست کا اعتبار کیا ہے امیرؔ   آدمی بلبلہ ہے پانی کا

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: علینا اختر، محمد احمد اسلم، ہما ساجد خان، سیدہ فاطمۃ الزہرا کاظمی، ایمن ناز، کبشہ ادریس، رباب فاطمہ ☆ میر پور خاص: بشریٰ ذی شان۔
☆ حیدرآباد: طٰہٰ یاسین ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ لاہور: امتیاز علی ناز۔
☆ اوکاڑہ کینٹ: محمد جہانزیب ☆ راولپنڈی: ہانیہ نور بٹ۔
☆ فروا فرحت نعیم ☆ اشتیاق سرور اعوان۔

۱۰ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: سید عفان احمد، ماہم طارق، سیدہ ماہم ☆ مظفر گڑھ: عفیرہ ملک، فاطمہ بنتِ عزیز ☆ حیدر آباد: مریم بنتِ کاشف ☆ لاہور: ولید اشرف۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: سیدہ فاطمہ شعیب، محمد سفیان فیصل، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، ارسلان احمد، الینہ سلیم، زہرہ سلطانہ، محمد حذیفہ آفتاب، فاطمہ توقیر، روبینہ ناز، عبدالرحمٰن عارف، سعد بن ضیا، فرحین فرحان ☆ لاہور: مہ نور ذی شان یٰسین، ارحم ذی شان یٰسین، حفصہ سجاد، اُسامہ ضیا ☆ حیدر آباد: مقدس عبدالجبار خان، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ اوڈیرو لال اسٹیشن: فرح خان بہلم پٹھان، انوشہ جان بہلم پٹھان، ماریہ خان بہلم پٹھان ☆ راولپنڈی: محمد معاذ حفیظ ☆ خوشاب: قمر الزماں ☆ چوکارہ: مفسر زمان ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ مظفر گڑھ: محمد یحییٰ خان لغاری ☆ میر پور خاص: اسما خان ☆ جھنگ صدر: محمد طیب ☆ اٹک: فاطمہ شہباز ☆ اسلام آباد: عفیفہ جمیل ☆ کالا گجراں: محمد سعید ☆ قصور: عبدالرحمٰن عبداللہ ☆ جگہ نامعلوم: صہیب فاضل۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: احتشام الدین، محمد عاقب مصطفیٰ، وردہ مصطفیٰ، ردا حمید، حافظہ حور لائبہ خداداد، سیدہ ناہید نرگس ☆ ٹنڈو الہیار: آمنہ آصف کھتری ☆ حیدر آباد: محمد یوسف قریشی ☆ پشاور: زینب خان ☆ سکھر: محمد حسن، محمد حسیب ☆ گوجر خان: محمد سلمان بٹ ☆ ڈیرہ غازی خان: علی عمران کلاچی ☆ میاں چنوں: محمد عبداللہ اعجاز۔

۷ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆ کراچی: محمد اشعر معراج، مصباح شاہ ☆ راولپنڈی: عبداللہ شاہد عباسی ☆ ڈگری: سلمان شاہ ☆ کوئٹہ: سید عمر عثمان۔

۶ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: سیدہ مسکان ندیم علی ☆ بہاول پور: رامحمد خرم رفیق پریاڑ ☆ راولپنڈی: محمد حسن عباس ☆ تاروجبہ: محمد عقیل اعوان ☆ نواب شاہ: ثانی زہرا ☆ جگہ نامعلوم: آمنہ بختیار۔

آدھی ملاقات

شامل اشاعت بیشتر خطوط ہمدرد نونہال نومبر ۲۰۱۹ء سے متعلق ہیں

رسالہ دل چسپیوں سے بھرپور ہے۔ بہت اچھے اچھے سلسلے اور ٹاپ کلاس کی تحریریں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے حکمتیں بھری باتیں پڑھیں۔ انسان اور مشین (فوزیہ خلیل) کی بہت اچھی کہانی ہے۔ واقعی انسان اپنوں کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ ''سپر گپی'' بہت اچھی لگی۔ بلاعنوان کہانی پڑھ کر مجھے بھولی ہوئی باتیں یاد آنے لگیں۔ ان میں سے ایک بات تو یہ تھی کہ بہن خولہ بنتِ سلمان کی تحریر ''تربیت'' کچھ عرصے پہلے روزنامہ اسلام کے ''جھلمل'' میں شائع ہوچکی ہے۔ نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے ماہ نامہ ''ہمدرد نونہال'' کو لمبی عمر عطا فرمائیں۔

حافظ نعمان احمد، ڈیرہ اسماعیل خان

جب سے نونہال کی وضع قطع تبدیل ہوئی ہے، نونہال ''اجنبی'' سا لگنے لگا ہے۔ پہلے والے نونہال کی سادگی میں الگ ہی رونق تھی۔ تصویروں میں دل کش مناظر ہوتے تھے۔ بلاعنوان کہانی بھی اب مشکل طرز پر آتی ہے۔

شایان احمد، کراچی

ہمدرد نونہال کا انداز بالکل بدل گیا ہے۔ کچھ تبدیلیاں تو پسند آئیں، مگر تصویروں کی تبدیلی بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ اس لحاظ سے پرانا نونہال ہی اچھا تھا۔

علی حیدر، جھنگ صدر

ہر شمارہ بہترین ہوتا ہے اسی طرح نومبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ حضورؐ کی حیاتِ مبارک کے واقعات نے معلومات میں اضافہ کیا۔ بلاعنوان، زخمی دشمن اور سپر گپی پہلے نمبر پر تھیں۔ باکمال لوگ پڑھ کر بہت حیرانی ہوئی۔

محمد معاذ حفیظ، راولپنڈی

جاگو جگاؤ میں ہر بار کی طرح عمدہ سبق تھا۔ پہلی بات بھی سبق آموز تھی، لیکن کہانیوں میں مزہ نہیں آیا۔ اس بار صرف تربیت بلاعنوان اور انسان اور مشین سب سے اچھی کہانیاں تھیں اور تربیت تو بہت ہی پسند آئی۔ روشن خیالات میں سبھی خیالات بہترین تھے۔ نونہال مشاعر اور شین شرارت بہت اچھے سلسلے ہیں۔ باکمال لوگ بہت ہی باکمال تحریر تھی۔

محمد احمد اسلم، کراچی

ہمدرد نونہال کو تو بچپن سے بچپن والے یکساں پڑھتے ہیں اور میں اب نہ بچپن میں ہوں نہ پچپن میں۔ میں ہمدرد نونہال ۱۹۷۵ء سے پڑھ رہا ہوں۔ اس کی طلب ہر ماہ کی آخری تاریخوں میں ہوجاتی ہے۔ جب تک نونہال نہیں ملتا ہاکر کو تنگ کرتا رہتا ہوں۔

امتیاز علی ناز، والٹن لاہور

یہ میرا پہلا خط ہے۔ اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں سام ہاؤس اور پرانے کھنڈر کا بھوت اول تھی۔ سفرنامۂ

امریکا اتنا خاص نہیں تھا۔نونہال ادیب سے سبق آموز کہانیاں ملی۔ شین شرارت تو بہت مزے کا ہوتا ہے۔نام بوجھیے میں نام پتا نہ چل سکا۔

اُمیمہ قاسم،کوہاٹ

جاگو جگاؤ میں حکیم سعید کا ایک اور پیغام پڑھا اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کیا۔پہلی بات کی کیا ہی بات ہے، لیکن اگر اشاعت سے معذرت کا صفحہ نہیں ہوگا تو ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ہماری تحریر شائع ہوگی یا نہیں۔صفحہ نمبر ۱۱ کا پیغام بھی اچھا تھا۔ باکمال لوگ، بے مثال کردار میں جاپان کے لوگوں کے بارے میں پڑھ کر تھوڑی حیرت ہوئی۔انسان اور مشین، تربیت اور بلاعنوان کہانی مجھے سب سے زیادہ پسند آئی۔صحرائے تھر معلوماتی تحریر تھی۔علم دریچے اور نونہال ادیب میں سب تحریریں لاجواب تھیں۔شین شرارت مجھے ہمیشہ کی طرح پسند آیا اور ساتھ شائع ہونے والی مزاحیہ تصویریں زبردست تھیں۔ سفرنامہ امریکا اچھا جارہا ہے۔

اصبح احمد، میرپورخاص

کافی عرصے بعد خط لکھ رہا ہوں رسالہ پہلے کی طرح شان دار ہے۔ آپ کا سفرنامہ امریکا پڑھ کر لطف اُٹھا۔نومبر کا رسالہ اچھا تھا۔ کچھ کہانیاں پرانی لگیں۔''

اس بار کا شمارہ بھی ماشاءاللہ بہت عمدہ تھا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات بہت اچھی تھیں۔ کہانیاں بھی زبردست تھیں اور تمام مضامین،علم دریچے،نونہال ادیب سب اچھے تھے کہانیوں میں بلاعنوان اور سیر کی مزے دار کہانیاں تھیں ہر بار کی طرح اس بار بھی ہمدرد نونہال دل کو چھو گیا۔

رقیہ محمد عقیل شاہ، لیاری، کراچی

جاگو جگاؤ اور پہلی بات بھرپور نصیحت اور خوب صورت الفاظ سے آغاز ہوا تمام کہانیاں اور نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ بلاعنوان کہانی بہت زبردست تھی اور کہانی تربیت بھی لاجواب تھی۔ ننھے ادیبوں نے بھی بہت اچھی کہانیاں لکھی ہیں اللہ انھیں اور کامیاب کریں۔شین شرارت پڑھ کر بہت ہنسی آئی زندگی میں مسکراہٹیں ہونی چاہییں۔

اُمِ ایمن محمد عقال شاہ، لیاری کراچی

سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھا پھر پہلی بات پڑھی۔اس میں آپ نے بہت اچھی پیغام دیا۔محمدؐ ہمارے بڑی شان والے بہت اچھا لکھا ہے۔خوف کی تصویر، زخمی دشمن، پاکستانی کرنسی کا سفر، تمام تحریریں بہترین تھیں۔ مرے اقبال کی نظمیں زبردست نظم تھی۔تربیت کہانی مجھے بہت پسند آئی۔علم دریچے بہت اچھا تھا۔

سید عمر، کوئٹہ

ہمدرد نونہال میرا اور میرے گھر والوں کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ دل چسپ اور معلوماتی رسالہ میرے ابو امی اور میری نانی امی بھی نونہال کو شوق سے پڑھتی ہیں۔نونہال بچے بڑے اور بوڑھے سبھوں کا منفرد رسالہ ہے۔

سیدہ فاطمہ شعیب، کراچی

نومبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ بلاعنوان کہانی بہت زبردست تھی۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، لطیفے، معلومات افزا تو بہترین سلسلے ہوتے ہیں سب کہانیاں بہت اچھی لگیں۔شین شرارت بہت مزہ آیا۔

فاطمہ توقیر، کراچی

نومبر کا رسالہ لاجواب تھا خاص طور پر بلاعنوان کہانی، جاگو جگاؤ، پہلی بات، عظیم قائد پڑھ کر بہت اچھا لگا۔

مقدس بنتِ عبدالجبار خان، جگہ نامعلوم

میں ۵۰ سال سے نونہال کو پڑھ رہی ہوں۔ یہ میرا سب سے پسندیدہ رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمدرد نونہال کو مزید ترقی عطا فرمائے۔

عقیلہ سعید عظیمی، جگہ نامعلوم

پہلی بات میں سلیم مغل نے اپنی بات کو کہانی کے انداز میں بہت اچھے سے سمجھایا کہ وہ آخر کیوں ناقابلِ اشاعت تحریروں کا صفحہ بند کر رہے ہیں؟ محمدؐ ہمارے بڑی شان والے بہت اچھی تحریر تھی۔ انسان اور مشین پڑھی ہوئی کہانی تھی۔ بلاعنوان انعامی کہانی بہترین تھی۔ مختصراً پورا شمارہ عمدہ تھا۔

رمشاء، کراچی

تصویری پیغامات بہت زبردست ہیں۔ یہ پیغامات بڑے بڑے مضامین اور ضغیم کتابوں سے بڑھ کر موثر ہوتے ہیں۔ پہلی بات کے بارے میں کچھ کہنا لکھنا مشکل لگ رہا ہے۔ محنت، صبر، استقامت اور ریاضت اور پھر بنتی ہے کرامت، سبحان اللہ۔ آدھی ملاقات میں تفسیرا حیدر کا خط اچھا لگا، لیکن میں اپنی کہوں تو تبدیلیاں اچھی بھی لگ رہی ہیں اور پرانی روایات چھوٹنے کا دکھ بھی ہے، لیکن بہرحال بنیادی چیزیں اور مقصد تو وہی ہے یعنی نونہالانِ وطن کی کردار سازی۔

عشر جہاں، لاہور

ساری تحریریں، مضامین اور کہانیاں خوب تھیں۔ سب سے پہلے بلاعنوان کہانی پڑھی، باکمال لوگ، سپر گپی، عظیم قائد، انسان اور مشین اور صحرائے تھر خاص تحریریں تھیں۔ جاگو جگاؤ سبق آموز تھا۔ سب سے آخر میں پہلی بات پڑھی۔ یہ پہلی بات سب سے بازی لے گئی۔ افسوس ہوا کہ یہ سب سے پہلے کیوں نہ پڑھی۔ پہلی بات ساری کہانیوں اور مضامین پر بازی لے گئی۔ حوصلہ افزائی اور شاباشی کا اس سے اچھا اور کیا انداز ہوسکتا ہے۔

حافظ عبداللہ کھتری، لیاری، کراچی

ہمدرد نونہال نومبر کا شمارہ بہت عمدہ اور زبردست تھا۔ تمام نظمیں ہمیشہ کی طرح بہترین تھیں۔ شین شرارت کا کوئی جواب نہ تھا۔ کہانیوں میں سے سپر گپی سب سے اچھی لگی۔ باقی پورا رسالہ سپر ہٹ تھا۔

اسما خان، میر پور خاص

نومبر کا شمارہ بہت ہی دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ جاگو جگاؤ کے بعد جب پہلی بات پڑھی تو بہت ہی اچھی لگی۔ اس کے علاوہ باقی تحریریں بہت اچھی لگیں۔ کہانیوں میں زخمی دشمن کہانی تو اصلی لگ رہی تھی۔ تربیت کہانی بہت اچھی لگی اس کے علاوہ صحرائے تھر، انسان اور مشین، سپر گپی، پاکستانی کرنسی کا سفر یہاں تک کے پورا رسالہ بہت اچھا تھا۔

فاطمہ ناہید، کراچی

نومبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ سرورق پسند نہیں آیا۔ جاگو جگاؤ نے دل پر اثر کیا۔ پہلی بات پڑھ کر اچھا لگا۔ عظیم قائد اور انتخاب اقبال پسند آیا۔ روشن خیالات نے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ نظموں میں ''لو پھر سے ہوا سویرا'' اور ''مرے اقبال کی نظمیں'' ٹاپ پر رہی۔ شین شرارت میں ایک لطیفہ پہلے آ چکا ہے۔ ''محمدؐ ہمارے بڑی شان والے'' لاجواب مضمون تھا۔ نام بوجھیے میں قرعہ اندازی میں نام پا کر خوش ہوئی۔ کہانیوں میں تو ہر کہانی

ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ تمام قلم کاروں نے خوب محنت کی۔ تربیت کہانی پڑھ کر اچھا سب اور بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ انسان اور مشین تو سمجھ ہی نہیں آئی۔ علم دریچے اور نونہال ادیب ہمیشہ کی طرح زبردست تھے۔

تسبیحہ شکیل احمد شیخ منصوری، سانگھڑ

نومبر کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بلاعنوان کہانی سب پر بازی لے گئی۔ شین شرارت پڑھ کر اتنا ہنسا کہ آپے سے باہر ہو گئے۔ جاگو جگاؤ سے اچھی بات ملتی ہے۔

محمد خرم رفیق پرہاڑ، بہاول پور

میں پچھلے کئی برسوں سے نونہال اپنی بڑی بہنوں سے سنتی تھی۔ ایک سال سے میں نونہال خود پڑھنے کی کوشش کرتی تھی۔ اب خود نونہال پڑھنے کے قابل ہوں۔

حمیرا، کراچی

''زندہ پیغام'' بہترین تحریر تھی۔ سام ہاؤس، غلط فہمی اور پرانے کھنڈر کا بھوت بہت زیادہ پسند آئیں۔ اس کے علاوہ کچی بستی، بلاعنوان اور ہمارا کارنامہ بھی اچھی تحریریں تھیں۔ نونہال مصور میں عبدالکریم اور اصغر علی کی تصویریں سب سے اچھی لگیں۔

عزیر اسلم، کراچی

جاگو جگاؤ میں اچھا پیغام تھا۔ جیک ما بہترین تحریر تھی۔ زندہ پیغام اچھا مضمون تھا۔ سام ہاؤس کی دونوں قسطیں شان دار رہیں۔ نونہال مصور میں ایمن شاہد اور آمنہ بختاور نے اچھی تصویریں بنائیں۔ سفر نامۂ امریکا اچھا جا رہا ہے۔ پرانے کھنڈر کا بھوت، کچی بستی اور ہمارا کارنامہ شمارے کی سب سے بہترین کہانیاں لگیں۔ نونہال خبرنامہ نے اہم خبریں فراہم کیں۔

محمد احمد اسلم، کراچی

نومبر کا شمارہ بہت عمدہ اور زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا پیغام دیا ہے۔ پہلی بات میں سلیم مغل نے ایک اہم با بتائی۔ روشن خیالات میں سبھی خیالات بہت سبق آموز تھے۔ صحابۂ اکرام کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں مزید اضافہ ہوا زخمی دشمن کہانی اچھی تھی ساری نظمیں بہت بہترین تھیں۔ نونہال مشاعرہ اور شین شرارت بہت اچھے تھے۔ اس بار عظیم معلم، تربیت اور بلاعنوان کہانی، تین عظیم کہانیاں تھیں۔ نومبر کے شمارے سے بہت سا سبق سیکھنے کو ملا۔ آپ لوگوں کی محنت ہی سے ہر شمارہ نونہالوں کا دل جیت لیتا ہے۔

زینب محمد عامر شمسی، کراچی

نومبر کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ سرورق تو اتنا شان دار ہے کہ منھ سے دیکھتے ہی ''واہ'' نکلا۔ نونہال مشاعرہ، علم دریچے، نونہال خبرنامہ، نونہال لغت بہترین سلسلے ہیں، جنھیں ہمارے بڑے بھی شوق سے پڑھتے ہیں۔ کہانیوں میں سپر گپی، جنگل والا جن، تربیت اور مغرور بھنڈی بہت پسند آئیں۔ نظموں میں ہوا سے باتیں، میر اقبال کی نظمیں اور دعا (شاکر اللہ، کیاڑی) بہت شان دار ہیں۔

سیدہ ناہید نرگس، کراچی

اس بار کا رسالہ کافی بہتر تھا۔ بلاعنوان کہانی گزارہ تھی۔ شین شرارت اس بات بہت اعلا تھی۔ تربیت اور انسان اور مشین بہت اعلا تھی۔ نام بوجھیے بہت آسان تھا۔

اشتیاق سرور اعوان، اسلام آباد

''محمدؐ ہمارے بڑی شان والے'' بہت بہترین تحریر تھی۔

زخمی دشمن بھی بہت اچھی تھی۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ تربیت پڑھ کر تو شہیدِ پاکستان یاد آ گئے کہ وہ زندگی بھر تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر زور دیتے رہے۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے (آمین) اس شمارے کے انعام یافتگان میں اپنا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، مگر مجھے انعام ملے گا یا نہیں؟ کیوں کہ مارچ ۲۰۱۹ء کے شمارے میں بھی میرا نام شامل تھا، لیکن مجھے اب تک انعام نہیں ملا۔

عبدالرحمٰن عارف، کراچی

آپ نے جو پتا لکھا تھا، وہ درست نہ ہونے کی وجہ سے ڈاکیا ۳۰/اکتوبر سے ۲/نومبر تک آپ کو تلاش کرتا رہا، پھر مایوس ہو کر اس نے آپ کا تحفہ ہمیں واپس کر دیا۔ جب تک پتا مکمل نہیں لکھیں گے تو ڈاک کیسے پہنچے گی!

نومبر کا شمارہ اپنے عروج پر ہے۔ انسان اور مشین کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ زخمی شیر، تربیت، صحرائے تھر، سپر گپی بہترین کہانیاں تھیں۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت زبردست تھی۔ جنگل والا جن، انسان دوست ٹائپ کی معلوم ہوئی۔ علم دریچے میں اپنی تحریر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، لیکن اس میں بہت سی تبدیلیاں تھیں۔ ایسا کیوں؟ شین شرارت میں میرا لطیفہ شائع کیا گیا۔ میرا نام لطیفے کے آخر میں لکھا ہوا تھا اور نیچے کسی اور کا نام تھا۔ لطیفہ تو میرا تھا۔ پھر کیوں؟

سیدہ ماہم، کراچی

آپ کی کہانی کو مزید بہتر بنانے کے لیے تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ بعض مرتبہ ایک ہی لطیفہ دو نونہالوں کی جانب سے موصول ہو جاتا ہے۔

نومبر کا شمارہ اچھا لگا۔ ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ شین شرارت کے لطیفے اچھے نہیں تھے۔ انکل! میں ہمدرد نونہال ۲۰۱۶ء سے پڑھ رہی ہوں۔ بہت ہی اچھا اور دل چسپ رسالہ ہے، لیکن خط لکھنے کی ہمت آج ہوئی ہے۔

اُمِ ابیہا شکیل احمد شیخ منصوری، سانگھڑ

اللہ آپ کی ہمت کو برقرار رکھے۔ رسالے کی اچھائی، بُرائی پر نظر رکھیے اور ہمیں بتاتی رہیے۔

رسالے کی ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے ہر تحریر کی تعریف کروں۔ سر! میں چاہتا ہوں کہ رسالہ مجھے گھر پر ہی ملے تو اس کے لیے کیا کرنا ہوگا؟ طریقہ بتا دیجیے۔ شکریہ۔

اشفاق احمد، چارسدہ

عام ڈاک سے ۶۰۰ روپے اور رجسٹری سے منگوانے کے لیے ۸۰۰ روپے کا منی آرڈر ہمدرد کے پتے پر روانہ کر دیں۔

میرپور ماتھیلو سے نونہال محمد اویس گڈانی بلوچ نے ہمیں جو خط لکھا ہے، بہت دل چسپ اور تنقید و تعریف کا امتزاج ہے:

ہمدرد نونہال میں اب وہ مزہ نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ بالکل پھیکا سا ہو گیا ہے۔ نومبر ۲۰۱۹ء کا شمارہ زبردست رہا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں اور نظمیں بھی خوب تھیں۔ مستقل سلسلوں میں نونہال کم حصہ لے رہے ہیں۔ اپنی کچھ تحریریں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ اللہ ہمدرد نونہال کو مزید ترقی و کامرانی سے نوازے۔

بلاعنوان انعامی کہانی

فریحہ ابتسام

راحیل نے دفتر کی بڑی سی دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ سوا بج رہا تھا۔ اس وقت وہ دفتر میں اکیلا تھا۔ ایک بجے دفتر کے سب لوگ دوپہر کے کھانے کے لیے کینٹین میں چلے جاتے تھے۔ راحیل بھی دوپہر کے کھانے کے لیے اپنی کرسی سے اُٹھنا ہی چاہتا تھا کہ عین اسی وقت چپراسی اندر داخل ہوا: ''آپ کو منیجر صاحب یاد فرما رہے ہیں۔''

راحیل نے آہستہ سے پوچھا: ''کہیں بہت زیادہ غصے میں تو نہیں ہیں؟''

مگر چپراسی سنی اَن سنی کر کے باہر چلا گیا۔

راحیل ایک سرکاری مالیاتی ادارے کے ذیلی دفتر میں معمولی کلرک تھا۔ اس کا کام ادارے کی آمدنی اور اخراجات اور ادارے کی طرف سے مختلف ترقیاتی کاموں کے لیے دی جانے والی سرکاری امداد کے گوشوارے بنانا تھا۔ اس کام کے بدلے وہ واجبی سی تنخواہ پاتا تھا، جس سے اس کے گھر والوں کی دال روٹی چلتی تھی۔ روپے پیسے کے معاملات جنرل منیجر کے ہاتھ میں تھے۔ اس کی تو پانچوں اُنگلیاں گھی میں تھیں۔ وہ اس سرکاری پیسے میں گڑ بڑ کرتا رہتا تھا اور اس طرح بہت زیادہ تنخواہ نہ ہونے کے باوجود وہ ٹھاٹ کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ منیجر کی ان غلط حرکتوں کی کسی کو خبر نہ تھی، مگر کوئی کچھ کہہ نہ پاتا۔ ماتحت ملازمین تو کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ چند مہینے پہلے ایک ماتحت ملازم نے ایمان داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک اخباری نمائندے کو منیجر کی حرکتوں کے بارے میں بتا دیا تھا جو خبر کی صورت میں شائع بھی ہوئی، مگر اس خبر پر کارروائی کی گئی تو صرف اتنی کہ بے چارے ''ایمان دار'' ماتحت کو ہی غبن کے الزام میں ملازمت سے نکال دیا گیا۔ اس سے دوسرے ماتحتوں کو کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس دفتر میں جنرل منیجر سے بڑے عہدے پر کوئی تھا ہی نہیں۔

راحیل ان بہت سی باتوں کے بارے میں سوچتا ہوا منیجر کے دفتر میں داخل ہوا۔ خلافِ معمول منیجر کو فکر مند دیکھ کر راحیل سمجھ گیا کہ یقیناً کوئی زیادہ سنجیدہ مسئلہ ہے۔ راحیل کو دیکھ کر منیجر نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا: ''آؤ راحیل! بیٹھو۔ صبح سے کام کر رہے ہو۔ بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔ شاید ابھی تک تم نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

راحیل کو منیجر کے اس لہجے پر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ منھ پھاڑ کر منیجر کی طرف دیکھنے لگا۔ منیجر نے

اس کی حیرت کو سمجھتے ہوئے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور اسے بہترین قسم کا کھانا لانے کی ہدایت کی۔ چپراسی کے جانے کے بعد منیجر نے راحیل کے حیرت زدہ چہرے کی طرف مصنوعی اپنائیت سے دیکھا اور بولا: ''راحیل صاحب! کس دنیا میں کھو گئے ہیں؟ واپس آ جایئے!''

راحیل نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور سنبھلتے ہوئے کہا: ''یہ سب کیا ہے؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

منیجر نے کہا: ''کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں ہے۔ زیادہ سوچنے کی کوشش مت کرو، پہلے کھانا کھاؤ، پھر بات ہوگی۔''

تھوڑی دیر کے بعد چپراسی کھانا لے آیا۔ اتنے منہگے، مزے دار اور طرح طرح کے کھانے کھلانے کے بعد منیجر نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا: ''راحیل صاحب! آپ تو جانتے ہیں کہ آج کل تنخواہ میں گزارا کہاں ہوتا ہے۔ آدمی کو اچھی زندگی گزارنے کے لیے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر تو مارنے ہی پڑتے ہیں۔''

راحیل نے کہا: ''میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''بھئی دیکھو نا! آج میرے بچے شہر کے بہترین اسکول میں پڑھتے ہیں۔ انھیں دنیا کی ہر نعمت میسر ہے۔ میری اس شہر میں دو کوٹھیاں ہیں، تین پلازہ ہیں۔ ایک پلاٹ پر پلازہ تعمیر ہو رہا ہے۔ میرے پاس تین عمدہ قسم کی گاڑیاں ہیں اور کئی دکانیں بھی ہیں۔''

''میں جانتا ہوں سر! لیکن ......'' راحیل نے کچھ کہنا چاہا، مگر منیجر بات کاٹ کر بولا: ''آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ یہ سب کچھ میں نے الہ دین کے چراغ کے جن کی مدد سے حاصل نہیں کیا۔ بات یہ ہے راحیل میاں کہ میں مختلف ترقیاتی کاموں کے لیے حکومت کی طرف سے دیے جانے والے فنڈ میں سے تھوڑی بہت رقم اِدھر اُدھر کرتا رہتا تھا۔ اگر کروڑوں روپوں میں سے صرف چند لاکھ لے لیے جائیں تو کوئی ایسی بُری بات تو نہیں ہے، مگر اب ایک مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے۔''

''کیا مسئلہ ہے سر!'' راحیل نے سعادت مندی سے پوچھا۔

''مسئلہ یہ ہے کہ حکومت نے ترقیاتی فنڈز میں گڑ بڑ کی تحقیقات کا کام شروع کرا دیا ہے۔ اس سے میرا مستقبل بھی خطرے میں پڑ گیا ہے۔ بس، اس مسئلے کے حل کے لیے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔''

''میری مدد کی ضرورت!'' راحیل نے تقریباً اُچھلتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی گوشوارے بنانا تو آپ ہی کا کام ہے نا۔'' منیجر نے جملہ ادھورا چھوڑ کر راحیل کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور پھر کہا: ''دیکھیے راحیل صاحب! بات یہ ہے کہ اعلا افسران کو کسی طرح میرے بینک بیلنس کی خبر ہوگئی ہے۔ مشکوک افسران کی فہرست میں میرا نام بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ انھوں نے میرے خلاف تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی بھی قائم کر دی ہے۔ میں کمیٹی کے ارکان کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کروا چکا ہوں۔ وہ سب کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ایمان دار ہیں۔ میرے خلاف کچھ ایسے ثبوت جمع کر لیے ہیں کہ میرا بچنا مشکل ہی نظر آتا ہے۔ آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ جو رقم کم ہے اسی کے حساب سے نئے گوشوارے بنا دیجیے۔ دس گیارہ کے قریب گوشوارے ہوں گے۔ آپ کے لیے تو یہ چند گھنٹوں کا کام ہے۔ میں اس کام کا اتنا معاوضہ دوں گا کہ شاید آپ ساری عمر بھی نہ کما سکیں۔ جعلی مہریں وغیرہ آپ کو فراہم کر دی جائیں گی۔ راحیل صاحب! یہ دنیا ''کچھ دو اور کچھ لو'' کے اُصول پر قائم ہے۔ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے۔ مجھے قانونی تحفظ کی ضرورت ہے جو آپ دے سکتے ہیں، جب کہ آپ کو روپے کی ضرورت ہے جو میں فراہم کرسکتا ہوں۔''

راحیل یہ سب باتیں غور سے سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر منیجر نے بے ایمانی نہ کی ہوتی تو آج اس چھوٹے سے عہدے دار کا محتاج تو نہ ہوتا۔ منیجر نے بات آگے بڑھاتے ہوئے ذرا بے تکلفی

سے کہا: ''دیکھو راحیل! میں جعلی گوشوارے خود بھی بنا سکتا تھا، مگر ظاہر ہے کہ تحقیقات کرنے پر تم ان جعلی گوشواروں کا بھانڈا پھوڑ دیتے۔ ویسے بھی اس سے پہلے تمھارے ہاتھ کے بنے ہوئے گوشوارے اعلا حکام کو بھیجے جاتے رہے ہیں، لہٰذا ان گوشواروں کا بھی تمھارے ہاتھ کا بنا ہونا ضروری ہے۔اس طرح میں بچ جاؤں گا، بلکہ مجھ پر تو کوئی بدعنوانی کا الزام لگا ہی نہیں سکے گا۔''

راحیل نے سب کچھ سمجھتے ہوئے کہا: ''مگر سر! اس طرح تو میں پھنس جاؤں گا۔''

منیجر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا: ''تم پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے۔تمھاری تو پوسٹ ہی ایسی ہے کہ تم پر تو بدعنوانی کا الزام لگ ہی نہیں سکتا۔تمھارے ہاتھوں میں تو رقم نہیں آتی، بلکہ میرے ہاتھوں میں آتی ہے اور میرے ہاتھوں سے تقسیم ہوتی ہے۔ میں تمھیں منھ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔''

''مگر سر......'' راحیل نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تو منیجر نے بولی لگا دی: ''دو لاکھ۔ بولو منظور ہے؟ ایک لاکھ پہلے دوں گا اور باقی ایک لاکھ کام ہونے کے بعد۔''

راحیل کے لیے دو لاکھ واقعی بہت بڑی رقم تھی۔اس نے تو اتنے روپے کبھی اِکھٹے نہیں دیکھے تھے، مگر وہ خاموش تھا۔شاید دو لاکھ کے تصور میں کھویا ہوا تھا۔منیجر اس کی خاموشی کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید یہ راضی نہیں ہے۔اس نے رقم میں اضافہ کر دیا اور تین لاکھ کی پیش کش کی۔ راحیل اب بھی خاموش تھا۔

''پانچ لاکھ، یہ آخری بات ہے۔اگر اپنے آپ کو بیچو گے تب بھی پانچ لاکھ حاصل نہیں کر سکو گے۔''

منیجر نے راحیل کو غور سے دیکھا اور سمجھ گیا کہ وہ اُلجھ رہا ہے اس لیے اس نے راحیل کو ایک دن سوچنے کی مہلت دے دی اور کہا کہ ابھی گھر جا کر سوچ لو۔

پانچ لاکھ روپے کتنا پُرکشش لفظ تھا۔ وہ اسی کے بارے میں سوچتا ہوا گھر روانہ ہو گیا۔اپنے گھر

کے ٹوٹے پھوٹے دروازے دیکھ کر اسے منیجر کی کوٹھی کا شان دار گیٹ یاد آیا۔ جسے وہ کئی بار دیکھ چکا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر بوڑھے والد پر پڑی جو تمام عمر ایمان داری کا تمغہ سینے پر سجائے ایک سرکاری اسکول میں پڑھاتے رہے تھے اور اب ریٹائر ہو کر بقیہ زندگی گھر میں گزار رہے تھے۔ ان کے جھریوں بھرے چہرے میں دو بیٹیوں کے مستقبل کی فکر نظر آ رہی تھی۔ راحیل نے اپنی بیوی کو دیکھا جو گھریلو ذمے داریوں کے بوجھ تلے دب کر اپنی عمر سے کہیں بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے بچوں کو دیکھا جنھیں اس کی طرح معمولی کلرک بننا تھا۔ گھر کے سب لوگوں نے اس کی پریشانی کو بھانپ لیا تھا۔ سب ہی نے پوچھ لیا، مگر وہ ٹال گیا۔ بہن نے کھانے کا پوچھا تو کہہ دیا کہ دوست کے ہاں کھا کر آیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس کو وہ لذیذ کھانے یاد آ گئے جو وہ آج ہی منیجر کے ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں کھا چکا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا: ''کیا تمھارے گھر والوں کو بھی اسی طرح کے کھانے نصیب ہو سکیں گے؟ کیا وہ ان کے ذائقوں کو محسوس کر سکیں گے؟ اسی ڈگر پر چلتے رہے تو کبھی نہیں۔'' مگر ایسا ہو بھی سکتا تھا، اگر وہ منیجر کی بات مان لیتا تو، مگر ''ضمیر'' کی آواز اس راستے میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ رات کو کھٹملوں اور مچھروں نے ستایا تو اسے ایک بار پھر پانچ لاکھ روپے یاد آئے، جو صرف یہ رات گزرنے کے بعد اس کے اپنے ہو سکتے تھے۔ رات کو کافی دیر تک اسی کش مکش میں مبتلا رہنے کے بعد آخر ''ضمیر'' کو شکست ہو گئی اور اس آخری فیصلے کے ساتھ ہی وہ سو گیا۔

اگلے روز دفتر پہنچا تو منیجر نے بلایا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ منیجر نے اس کے فیصلے کو سن کر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے اُترے ہوئے چہرے کی رونق بحال ہو گئی۔ اس نے راحیل کے سامنے ایک بریف کیس رکھ دیا اور کہا: ''مجھے یقین تھا کہ تم یہی فیصلہ کرو گے اس لیے میں نے رقم کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ گن لو، پورے پانچ لاکھ ہیں۔ ایک ساتھ ہی

ساری رقم حوالے کررہا ہوں۔ دیکھو میرے اعتماد کو ٹھیس مت پہنچانا، سمجھے؟''

کتنی عجیب بات تھی کہ حکومت کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والا دوسرے سے ٹھیس نہ پہنچانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ راحیل نے دھڑکتے دل کے ساتھ بریف کیس اُٹھالیا اور اپنے کمرے میں پہنچا۔ وہاں متعلقہ کاغذات پہلے ہی رکھ دیے گئے تھے۔ چند گھنٹوں کے بعد جعلی گوشوارے تیار ہوگئے۔ اس کے بعد وہ دفتر کے دوسرے کام کرتا رہا۔ چھٹی کے وقت منیجر خود ہی اس کے کمرے میں آیا اور پوچھنے لگا: ''میرا کام؟''

''کردیا سر!'' راحیل نے کہا۔

''کہاں ہے؟''

''اِدھر ہی رکھا ہے سر!'' راحیل نے دو تین فائلوں کو الٹنے پلٹنے کے بعد ایک زرد رنگ کی فائل منیجر کو پکڑا دی۔

''دیکھ لیں سر کام پورا ہے۔'' راحیل نے کہا تو منیجر نے ہنستے ہوئے کہا: ''اس فائل کو اب تحقیقاتی کمیٹی کے ممبران ہی کھولیں گے۔'' منیجر یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ راحیل نے رقم بریف کیس سے نکال کر اخبار میں لپیٹی اور پھر اسے پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال لیا۔ اب وہ بڑے آرام سے اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ گھر پہنچ کر اس نے بیوی سے کہا: ''اس لفافے کو کھولے بغیر صندوق میں رکھ دو۔'' اس بے چاری نے ایسا ہی کیا۔

ادھر منیجر کا کام ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی پانچ لاکھ کی خطیر رقم واپس لینے کی خاطر کچھ پیشہ ور چوروں سے رابطہ قائم کیا کہ وہ راحیل کے گھر سے رات کو رقم اُڑا لیں۔

رات کو راحیل اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ مسجد میں عشا کی نماز پڑھنے گیا۔ وہاں خاصی دیر ہوگئی۔ اس کی ماں بہنیں اور بیوی اپنے اپنے بستروں پر جا کر سوگئیں۔ ان کے گھر میں امیر

گھرانوں کی طرح ٹی وی اور کیبل سسٹم تو تھے نہیں کہ جن کی خاطر وہ جاگتی رہتیں۔ چناں چہ رات کے اس پہلے حصے میں ہی منیجر کے بھیجے ہوئے مسلح غنڈے آئے۔ انھوں نے سب گھر والوں کو سوتے دیکھا تو اطمینان سے اپنا کام کیا اور واپس چل دیے۔ راحیل کی بیوی اور بہنیں سارا دن کام میں جُتی رہتی تھیں، اس لیے وہ تھک کر اتنی گہری نیند سوتی تھیں کہ صبح کی خبر لاتیں۔ انھیں پتا بھی نہ چلا کہ گھر سے پانچ لاکھ روپے چلے گئے۔

مسجد میں فجر کی نماز پڑھ کر جب راحیل واپس آنے لگا تو اس کے کانوں میں ایک آواز پڑی، جس نے اس کے قدم روک لیے۔ وہ آواز کی طرف چلا جو مسجد کے ایک کونے سے آ رہی تھی۔ وہاں ایک گیارہ بارہ سالہ لڑکا اپنی پیاری آواز میں تلاوت کر رہا تھا۔ راحیل کو عربی نہیں آتی تھی ،مگر آج یہ آیات اس کے دل میں اُتری جا رہی تھیں۔ اللہ کے کلام نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ پھر تلاوت کی آواز بند ہوگئی۔ لڑکا قرآن پڑھ چکا تو دعا مانگنے لگا۔ راحیل عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس نے اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ وہ منیجر جیسے ظالم انسان کی مدد نہیں کرے گا، مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اب تو صرف پچھتاوا ہی باقی تھا، مگر نہیں، اس کے پاس موقع تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ پانچ لاکھ روپے تحقیقاتی کمیٹی کے ارکان کے سپرد کر دے گا اور اپنے جرم کا اعتراف بھی کرلے گا، کیوں کہ اس دنیا کی سزا بھگتنا آخرت میں سزا پانے سے اچھا ہے۔

اس فیصلے نے اس کی طبیعت میں سکون پیدا کر دیا۔ وہ دفتر جانے کے لیے تیار ہوا تو اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اسے آج اپنے امتحان میں پورا اُترنا ہے، مگر جب بیوی نے یہ افسوس ناک خبر سنائی کہ صندوق خالی ہے اور پلاسٹک کے تھیلے کا نام ونشان تک نہیں ہے تو راحیل کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا، مگر اس نے بیوی کے سامنے اپنے آپ کو سنبھالا اور

زبردستی کی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے بولا: ''اوہ! مجھے یاد آیا۔ میں نے تو وہ لفافہ رات کو ہی صندوق میں سے نکال لیا تھا۔''

وہ بڑی مردہ دلی اور مایوسی سے دفتر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اسے بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ قدرت نے اس سے نیکی کرنے کا اور اپنے گناہ کا کفارا ادا کرنے کا کتنا اچھا موقع واپس لے لیا۔ اب شاید منیجر کبھی نہ پکڑا جائے، جو حرام کے پیسوں سے اپنی تجوریاں بھرتا رہا تھا، اب بھی بھرتا رہے گا۔

راحیل کو بڑی شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس کی وجہ سے ایک بڑا شخص قانون کی گرفت سے بچ نکلا۔ جس روپے کی لالچ میں اس کے قدم بہکے تھے، وہ بھی ہاتھ سے جاتے رہے، کیوں کہ وہ رشوت کا روپیہ تھا۔ وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ سارا دن دفتر میں بیٹھا کام کرتا رہا اور دل ہی دل میں اپنے رب سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا رہا۔

دوپہر کے وقت ایک کلرک بھاگتا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ منیجر کو پولیس تلاش کر رہی ہے۔

''ارے یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ بھلا منیجر جیسے بڑے آدمی کے پیچھے پولیس کیسے لگ سکتی ہے۔'' ایک اور کلرک نے کہا۔

''کیوں نہیں لگ سکتی۔ منیجر تو اپنے کو پتا نہیں کیا سمجھنے لگا تھا کہ جیسے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، مگر قانون کی پکڑ میں آ ہی گیا۔'' اس پر سب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ راحیل جو یہ اطلاع سن کر بہت حیران ہو گیا تھا، ان کے بلند قہقہوں سے ایک دم ہوش کی دنیا میں واپس آ گیا اور بڑی بے یقینی سے بولا: ''ثبوت ملا کوئی؟''

''ثبوت تو وہ اپنے ہاتھ میں لیے پھر رہا تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمھارا؟ کھل کر بات کرو۔'' راحیل نے کہا، مگر وہ کلرک باہر چلا گیا۔

یکایک راحیل کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی میز کی درازیں دیکھنی

شروع کر دیں اور پھر فائلوں کا ڈھیر کھنگال ڈالا۔ ایک دم اس کے ہاتھ رک گئے اور اس کے چہرے پر اطمینان و خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کو اپنے رب کی رحمت کا یقین آ گیا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس نے غلطی سے کل منیجر کو جعلی گوشواروں والی زرد فائل کی جگہ اصلی فائل دے دی تھی۔ دونوں کا رنگ ایک سا تھا اور ایک ہی کمپنی کی بنی ہوئی تھیں، اس لیے پتا ہی نہ چلا کہ اس سے کیا غلطی ہوئی اور یہ کہ منیجر کی آنکھوں اور عقل پر پردہ پڑ گیا اور اس نے فائل کھولنے کی تکلیف ہی گوارا نہ کی۔ راحیل کی توبہ قبول ہوئی۔ وہ بے اختیار اپنے رب کے حضور جھک گیا کہ جس نے اسے صحیح راستہ دکھا کر ذلت اور بدنامی سے بچا لیا تھا۔

کہنے کو دونوں کُشتیاں ہیں مگر ان دونوں کے نام اور ثقافتی حوالے الگ الگ ہیں۔ ذرا بتائیے تو!

یہ عظیم مسلمان طبیب کون ہے؟

نام بوجھیے

سلیم فرخی

ایران کے سامانی خاندان کے مشہور بادشاہ نوح بن منصور کے عہد میں بلخ سے ایک شخص عبداللہ روزگار کی تلاش میں بخارا آیا جو اس وقت ملک کا دارالحکومت تھا۔ وہ بادشاہ سے ملا تو بادشاہ نے اس کی صلاحیت کا اندازہ لگا کر اسے ''خرمشین'' نامی علاقے کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے قریب ایک گاؤں میں ستارہ نامی ایک ایرانی خاتون سے عبداللہ نے شادی کر لی۔ ان کا بڑا بیٹا حسین ۹۸۰ء میں اور چھوٹا بیٹا محمود ۹۸۵ء میں پیدا ہوا۔ میں بڑا بیٹا حسین ہوں (لیکن تاریخ میں جس نام سے مشہور ہوں وہی نام آپ کو بوجھنا ہے)۔ میں نے ابتدائی تعلیم بخارا ہی میں حاصل کی جہاں ایک قصبے خرثین میں پیدا ہوا تھا۔ اللہ نے مجھے بہت ذہین دماغ عطا کیا تھا۔ دس برس کی عمر میں ہی

قرآن پاک ختم کرلیا اور عربی فارسی میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ ہمارے گھر کے قریب ہی محمود مساح نامی ایک سبزی فروش رہتا تھا، جو ریاضی اور الجبرے کا عالم تھا۔ والد نے مجھے محمود مساح کے پاس ریاضی سیکھنے کے لیے بٹھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اسماعیل زاہد نامی ایک بزرگ عالم سے بھی علم حاصل کرتا رہا۔ یہ دونوں میری ذہنی صلاحیت کے معترف تھے۔ ان ہی دنوں ایک دانش ور، ابو عبداللہ ناتلی بخارا آیا جو فلسفے اور فزکس کا بہت بڑا عالم تھا۔ والد نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا اور مجھے اس کی شاگردی میں دے دیا۔ وہ بھی میری ذہانت سے متاثر ہوا۔ ایک معمولی اشارے سے میں پورا مسئلہ حل کر دیا کرتا تھا۔ یہاں تک ہوا کہ جو مسئلے استاد کی سمجھ میں نہ آئے تھے، وہ میں انھیں سمجھا دیا کرتا تھا۔ پھر مجھے طب کا علم حاصل کرنے کا شوق ہوا، لیکن اس میں میرا کوئی بھی استاد نہیں تھا۔ اپنی ذہانت اور کوشش سے نوجوانی میں ہی اپنے زمانے کا بڑا طبیب بن گیا تھا۔

ان ہی دنوں بادشاہ سخت بیمار ہو گیا۔ بڑے بڑے حکیموں نے علاج کی کوشش کی، لیکن سب ہی عاجز آ گئے، یعنی جواب دے دیا۔ آخر مجھے طلب کیا گیا۔ میرے علاج سے بادشاہ نے شفا پائی۔ خوش ہو کر بادشاہ نے مجھے اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا اور میری خواہش پر مجھے شاہی کتب خانے کا افسر بنا دیا۔ اس وقت میری عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ اس زمانے میں تمام کتابیں قلم سے لکھی ہوئی ہوا کرتی ہیں۔ چھاپے خانے کا رواج کئی سو سال بعد ہوا۔ عوامی کتب خانے تو ہوتے ہی نہیں تھے، صرف بادشاہ اور امرا ہی کتابوں کا ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ میں نے شاہی کتب خانے سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ میں سونے کے چند گھنٹوں کے علاوہ دن رات مطالعے میں غرق رہتا تھا۔ کتب خانہ ایک وسیع خوب صورت عمارت میں قائم تھا۔ ہر مضمون کے لیے الگ الگ کمرے تھے۔ کتابیں سلیقے سے الماریوں میں رکھی تھیں۔ ایک کمرہ قدیم حکماء کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں ہر کتاب کو بار بار پڑھتا، علم کی سچی لگن اور وسیع مطالعے سے میں تمام علوم پر حاوی ہو گیا۔ حافظہ اللہ نے نہایت قوی دیا تھا۔ مجھے خود پر اعتماد تھا۔ جو لکھتا سمجھ کر لکھتا اور صحیح لکھتا۔ میں ایک روز میں سو صفحے لکھ لیتا تھا۔ میرے پڑوس میں ایک عالم ابوبکر البرقی خوارزمی رہتے تھے، ان کی فرمائش پر میں نے کتاب

''الحاصل والمحصول''بیس جلدوں میں لکھی، جو فقہ،تفسیر،تصوف ،فلسفہ وحکمت پر مشتمل تھی ۔ میں نے اپنے مطالعے کی رفتار اور بڑھا دی ۔ مطالعے کے سوا اور کوئی مشغلہ نہیں تھا۔کوئی مشکل ترین مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو وضو کر کے مسجد چلا جاتا۔نماز کے بعد دعا کرتا، یہاں تک کہ اللہ اس مسئلے کی گرہ کھول دیتا۔یا کبھی ہلکی سی نیند آجاتی تو غیرحل شدہ مسئلے خواب میں نظر آتے اور اکثر خواب میں ہی وہ مسئلے حل ہوجاتے ۔ ایک بار بہت پیچیدہ مسئلہ سامنے تھا جو پریشان کررہا تھا۔اتفاق سے مشہور فلسفی ابو نصر فارابی کی تصنیف مل گئی جس سے سارے مسئلے حل ہوگئے ۔اس وقت میری عمر صرف اکیس سال تھا اور میں تمام دینی اور دنیاوی علوم کا استاد بن چکا تھا۔

میری عمر بائیس سال ہوئی تو میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میرے لیے مسائل پیدا ہوگئے ۔ میرے والد اور بھائی اسماعیلی فرقے کے پیروکار تھے۔ بخارا میں تورانیوں کی اکثریت تھی جو اسماعیلیوں سے نفرت کرتے تھے۔ ایرانیوں اور تورانیوں کے درمیان طویل عرصے تک جنگی حالات رہے تھے۔ ہمارا خاندان ایرانی تھا۔ جب تک والد زندہ تھے، تب تک وہ دبے رہے، کیوں کہ والد صاحب وہاں کے حاکم تھے۔ میں نے اسماعیلی مذہب اختیار نہیں کیا تھا، لیکن لوگ مجھے اسماعیلی خاندان کا فرد سمجھتے تھے،اس لیے عداوت رکھتے تھے۔ ان حالات کی وجہ سے میں بخارا چھوڑ کر خوارزم کی سلطنت میں آ گیا۔ یہاں علی بن مامون حکمراں تھا۔ وہ اور اس کا وزیر ابوالحسن احمد دونوں علم دوست تھے۔انھوں نے بڑے بڑے دانش ور دربار میں جمع کررکھے تھے۔انھوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور معقول وظیفہ دیا۔

۱۰۱۲ء میں جب میں ۳۲ سال کا تھا، اچانک حالات نے پلٹا کھایا اور میری زندگی کا سکون ختم ہوگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان محمود غزنوی کا ستارہ عروج پر تھا۔اس کی فاتحانہ یلغار سے برصغیر پاک و ہند، افغانستان، ایران،توران اس کے لیے کھیل کا میدان بنے ہوئے تھے۔ جہاں اسے ملکوں کو فتح کرنے اور مال و زر سمیٹنے کا شوق تھا، وہاں یہ آرزو بھی تھی کہ دنیا کے تمام قابل ترین لوگ اس کے دربار سے وابستہ ہوجائیں ۔شاہ خوارزم بھی محمود غزنوی سے دبتا تھا۔محمود غزنوی کو

پتا چلا کہ اس کے یہاں بڑے بڑے دانش ور موجود ہیں تو اس نے شاہ خوارزم کو لکھا، ان تمام عالموں کو فوراً غزنی روانہ کرو۔شاہ خوارزم کے لیے یہ خط ایک حکم کا درجہ رکھتا تھا۔اس نے سب عالموں کو جمع کر کے کہا کہ آپ سب غزنی جانے کے لیے تیار ہو جائیں یا میری سلطنت چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ میں سلطان سے ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ابوریحان البیرونی، ابوسہل مسیحی جیسے علما یہاں موجود تھے۔مسیحی چوں کہ عیسائی تھا اس لیے خوف زدہ تھا اور میں ایرانی ہونے کی وجہ سے سلطان سے ڈرتا تھا، لہٰذا ہم دونوں ایک رہبر کے ساتھ جرجان کی طرف روانہ ہوئے، وہاں کا حکمراں شمس المعالی قابوس علم دوست تھا اور خود بھی بہت بڑا عالم تھا۔

خوارزم کی سرحد سے باہر ایک طویل صحرا تھا۔سفر کے پانچویں روز صحرا میں ریت کا ایک طوفان اُٹھا جس سے ہم راستہ بھول گئے۔ابوسہل مسیحی تو بھوک پیاس کی شدت سے وفات پا گیا۔میں اور رہبر سخت جان نکلے۔سفر کی مشکلات جھیلتے ہوئے صحرا سے باہر نکل آئے۔ یہاں سے رہبر تو واپس چلا گیا اور میں آگے روانہ ہو گیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ ابوریحان البیرونی کسی طرح محمود غزنوی کی گرفت میں آ گیا۔ پہلے تو اسے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن بعد میں معاف کر کے بڑی قدر دانی کی۔ اس دوران فوج نے بغاوت کر کے سلطان قابوس کا تختہ اُلٹ دیا اور اسے قید کر لیا۔

جرجان میں ایک شخص ابوعبیدہ سے ملاقات ہوئی۔وہ میرا شاگرد بن گیا اور آیندہ پچیس برس تک ہر دکھ سکھ میں ساتھ رہا۔ یہاں ایک امیر ابومحمد شیرازی رہتا تھا۔جو میرا مدح تھا۔اس نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا اور بعد میں ایک مکان خرید کر دیا اور کھانے پینے کا بندوبست کر دیا تاکہ میں سکون سے تصنیف کا کام کر سکوں۔یہاں میں نے اپنی آفاق کتاب ''قانون'' لکھی جو فن طب اور تشریح الاجسام کی بنیادی کتاب ہے۔ یہ کتاب یورپ کے میڈیکل کالجوں میں صدیوں تک پڑھائی جاتی رہی۔

اس دوران محمود غزنوی نے میری تلاش میں آدمی روانہ کر دیے۔مجھے خبر ہو گئی۔میں گرفتاری سے بچنے کے لیے آلِ بویا کی سلطنت میں شہر رے پہنچ گیا۔بویہ سلطان فخر الدولہ کا عہد تھا اور علم و فن کا

مرکز تھا، لیکن جب میں وہاں پہنچا تو فخر الدولہ کا انتقال ہوگیا۔ یہاں خاندان آلِ بویہ کا ایک شہزادہ مالیخولیا کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ وہ اپنے آپ کو بیل سمجھنے لگا۔ بیل کھاتا پیتا بھی نہیں تھا۔ بس یہی کہتا کہ مجھے ذبح کردو۔ دوا پلانے کی ساری ترکیبیں بیکار گئیں۔ بادشاہ علاؤ الدولہ سخت پریشان تھا۔ ایک وزیر خواجہ ابوعلی بہت سمجھ دار تھا۔ اس نے بادشاہ کی اجازت سے مجھے علاج کے لیے بلایا۔ میں نے مریض کو دیکھا اور اس کے حالات سنے، پھر بادشاہ سے کہا کہ جو میں کہوں اس پر عمل کیا جائے ذرا بھی پس و پیش نہ کیا جائے۔ اب شہزادے سے کہیے کہ تمھیں ذبح کرنے کے لیے قسائی آ گیا ہے۔ شہزادہ خوشی خوشی ذبح ہونے کے لیے آ گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ پیر بندھوائے اور چھری تیز کر کے ذبح کرنے والے انداز سے اس کے اوپر سوار ہوگیا۔ پھر شہزادے کے بدن کو ٹٹولا، اِدھر اُدھر اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ یہ بیل بہت کم زور اور لاغر ہے۔ اس میں گوشت تو نکلے گا نہیں، پہلے اسے خوب کھلاؤ پلاؤ، جب یہ موٹا اور طاقت ور ہو جائے گا، تب ذبح کریں گے۔ شہزادہ یہ سب سن رہا تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ جب موٹا ہو جاؤں گا، تب ذبح کیا جائے گا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے گئے۔ اس کے بعد شہزادے نے خوب کھانا پینا شروع کر دیا۔ دوائیں بھی شوق سے کھالیتا۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے ہوش وحواس میں آ کر بھلا چنگا ہوگیا۔

اس علاج سے لوگوں کو بہت تعجب ہوا اور خوشی کا اظہار کیا۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے فن طب میں علم نفسیات کو داخل کیا۔ تمام نفسیاتی حالات مثلاً خوشی، غم و غصہ، فکر و پریشانی اور دوسرے احساسات کا تعلق دورانِ خون اور قلب سے ہے۔ خون کی اقسام اور دوسری رطوبتِ بدن کا اس میں بہت دخل ہے۔ انسان کی نفسیاتی صفات جیسے رشک وحسد، کینہ، عداوت، بہادری، بزدلی، کنجوسی اور فیاضی، غصہ وفکر کا اثر انسانی جسم پر پڑتا ہے اور اس پر طبی تدابیر سے قابو پایا جاسکتا ہے۔ اچھا کلام، اچھی خوشبو، اچھی موسیقی، خوب صورت منظر انسانی ذہن پر اثر ضرور کرتا ہے اور ذہن کا تعلق جسم سے ہے۔

اچھا اب زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے، بس ضروری باتیں بتاتا ہوں۔ میں نے سو سے زیادہ

کتابیں لکھی ہیں۔ میری سب سے عظیم تصنیف ''قانون'' ہے، جو دراصل علم العلاج کا مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔اس کی ۱۴ جلدیں ہیں۔ دوسری شہرہ آفاق کتاب ''شفا'' ہے۔جس میں فلسفہ، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، ریاضی اور موسیقی پر مضامین ہیں۔ اس کی ۱۸ جلدیں ہیں۔ کتاب الانصاف کی ۲۰ جلدیں ہیں اور لسان العرب کی ۱۰ جلدوں کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں۔ اگرچہ آج طب نے بہت ترقی کر لی ہے، لیکن یہ پوری عمارت میری ہی کتاب کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ ۱۰۳۷ء میں صرف ۵۷ سال کی عمر میں میرا انتقال ہوا۔

شمارہ نومبر ۲۰۱۹ء میں ایک قدیم ہندوستانی حکمراں اشوکِ اعظم سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔ بے شمار نونہالوں نے درست نام بوجھ لیا ہے۔ ان میں سے قرعہ اندازی کے ذریعے تین نام نکالے گئے:

۱۔ آمنہ بختاور، کراچی ۲۔ عکرمہ ضیا، لاہور ۳۔ عبدالرحمٰن عبداللہ، قصور

درست نام بتانے والے مزید نونہال یہ ہیں:

☆ کراچی: وردہ مصطفیٰ، محمد عاقب مصطفیٰ، جویریہ ظفر، ضوفشاں، علینا اختر، حُر بن اشعر، محمد سعد حسن نوید، سیدہ ناہید نرگس، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید شہظل علی اظہر، سید عفان علی جاوید، سید باذل علی اظہر، عبدالرحمٰن عارف، ایمن ناز، ہما ساجد خان، احتشام الدین، زینب سلیم، حافظہ حورلائبہ خداداد، محمد احمد اسلم، سید عفان احمد ☆ اوڈیرو لال اسٹیشن: فاروق جان بہلم پٹھان، بابر گل خان بہلم پٹھان، تیمور جان بہلم پٹھان ☆ حیدرآباد: صارم ندیم، ماہ رخ، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ راولپنڈی: محمد عمار، محمد سلمان بٹ، عفت نعیم ☆ پرانا سکھر: محمد حسیب، محمد حسن ☆ اوکاڑہ کینٹ: عروسہ تنزیل ☆ میرپورخاص: زبیر احمد عزیر ☆ تلہ گنگ: حسان عبداللہ ☆ مظفر گڑھ: محمد یحییٰ خان لغاری ☆ میاں چنوں: محمد عبداللہ اعجاز ☆ خوشاب: قمرالزمان ☆ اسلام آباد: اشتیاق سرور اعوان ☆ جگہ نامعلوم: ثمامہ۔

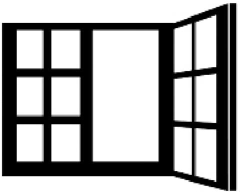

عِلم دریچے

مسلسل اور اچھا مطالعہ حصول علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ مطالعہ کرتے ہوئے کوئی اچھی بات، کوئی اچھا قول، فکر انگیز مکالمہ، کوئی خوب صورت خیال نظر سے گزرے تو اسے اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی محفوظ کر لیجیے۔ آپ جانتے ہیں ناں کہ علم کی تقسیم ہی علم کو ضرب دینے کے مترادف ہے۔ اپنی تحریر حوالہ کے ساتھ بھیجیے تا کہ اسے مستند سمجھا جائے۔

روشنی

روبینہ ناز، کراچی

دوستی ایک خوب صورت رشتہ ہے، جو آسانی سے نہیں ٹوٹتا۔ یہ رشتہ خون کا نہیں، لیکن بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اس میں چاند جیسی روشنی، پھولوں جیسی مہک اور دھنک جیسی ست رنگی ہوتی ہے۔ اسی کی زندگی خوب صورت ہے جس کی زندگی میں ایک اچھا دوست ہے۔ اگر تمھیں کوئی اچھا دوست مل گیا ہے تو تم بھی اس کے لیے اچھے دوست بنو۔

پستے کا فالودہ

تحریم خان، نارتھ کراچی

ایک دفعہ حضرت ابو یوسفؒ ہارون الرشید کے ساتھ اس کے دستر خوان پر بیٹھے تھے کہ اُن کے سامنے پستے کا فالودہ آیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ خلیفہ نے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ کوفے میں ایک بوڑھا شخص ابراہیم رہتا ہے۔ بے حد غریب، محنت مزدوری کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا یعقوب تھا۔ باپ نے گھر کی حالت دیکھ کر یعقوب کو دھوبی کے پاس کام پر لگا دیا۔ اس وقت پورے کوفے میں امام ابوحنیفہ کی شہرت عروج پر تھی۔ یعقوب کو بھی علم حاصل کرنے کا بڑا شوق ہوا۔ اب یہ عالم تھا کہ یعقوب نکلتا تو کام کرنے کے

بہانے اور جا پہنچتا مدرسے۔ جب مہینا پورا ہوا تو ابراہیم کی بیوی بولی کہ وہ دھوبی کے پاس جا کر بیٹے کی تنخواہ لے آئے۔ اب یعقوب گھبرایا اور ڈر کے مارے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اس کی ماں اس کو لے کر امام ابوحنیفہؒ کے پاس گئی اور اس کی شکایت کی۔ امام صاحب مسکرائے اور بولے: ''بڑی بی! تم اس کو روکھی سوکھی کھلانا چاہتی ہو اور یہ پستے کا فالودہ کھانا چاہتا ہے۔''

امام صاحب کی یہ بات سن کر بڑھیا بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ امام صاحب نے یعقوب کے گھر کا خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ یعقوب علم حاصل کرتا رہا اور امام صاحب کے ہونہار شاگردوں میں شامل ہوگیا۔ وہ ترقی کرتا رہا۔ آخر وہ وقت آیا جب خلیفۂ وقت نے یعقوب کو اپنے ملک کا سب سے بڑا قاضی مقرر کیا۔ اس کے بعد حضرت ابو یوسف بولے: ''یا امیرالمومنین! اس وقت وہی یعقوب، امام ابو یوسفؒ کے نام سے آپ کے پاس بیٹھا ہے اور اس کے سامنے پستے کا فالودہ رکھا ہوا ہے۔''

کام کی باتیں

محمد احمد اسلم، کراچی

☆ جو شخص مقروض نہیں اسے امیر سمجھو۔

☆ ناممکن اُمیدیں احمقوں کا سرمایہ ہے۔

☆ کوئی ملک اس وقت تک غلام نہیں بنایا جا سکتا جب تک کہ خود اس ملک کے لوگ حملہ آور کی مدد نہ کریں۔

☆ جس کے پاس کتاب ہے، وہ اکیلا نہیں۔

☆ زندگی اتنی تلخ نہیں کہ اس سے دور بھاگا جائے۔ اتنی شیریں بھی نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگا جائے۔

☆ جس کی اُمیدیں چھوٹی ہوتی ہیں، اس کے عمل بھی درست ہوتے ہیں۔

☆ جو شخص آرام دہ زندگی گزارنا چاہتا ہے، وہ اپنے دل میں قناعت پیدا کرے۔

☆ تجربہ ہمیں اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب ہم بہت کچھ کھو چکے ہوتے ہیں۔

☆ تنہائی بُرے دوستوں سے بہتر ہے۔

☆ محنت خوش قسمتی کی جڑ ہے۔

☆ حسد کے ساتھ راحت نہیں۔

معمار

مہک اکرم، لیاقت آباد

ٹیلی فون کے موجد گراہم بیل کی شخصیت کی تعمیر میں دو عورتوں نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کی ماں اور بیوی نے۔ ماں نے اس کی بہترین تربیت کی اور بیوی نے سائنسی تجربات میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس نے اپنی ساری دولت شوہر کے تجربات کے لیے وقف کر دی تھی۔ الیگزینڈر گراہم بیل نے اپنی زندگی گونگوں اور بہروں کے لیے وقف کر رکھی تھی، مگر اس کے ہزاروں شاگرد ہی اس کی عظیم ایجاد ٹیلی فون سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

افسوس کہ اس کی ماں اور بیوی ٹیلی فون استعمال نہ کر سکیں، کیوں کہ دونوں بہری تھیں۔

مہکتی کلیاں

اسماء خان، میر پور خاص

☆ دوسروں کو معاف کر دیا کریں، مگر اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کریں۔

☆ دل ایک آئینہ ہے، اگر بدی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آ سکتا ہے۔

☆ انسان پہاڑ سے گر کر تو کھڑا ہو سکتا ہے، مگر نظروں سے گر کر نہیں۔

☆ اچھا اخلاق ایک ایسا پھول ہے جو دل کے ویرانے میں بھی کھلے تو بہار آ جاتی ہے۔

☆ زندگی کے گلدان میں ایسے پھول سجاؤ جو محبت کی خوشبو دیتے ہوں۔

☆ سادگی ایمان کی علامت ہے۔

آنکھوں والی تصویر

مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخو پورہ

برطانیہ میں انسان کے اخلاق کا جائزہ لینے کے لیے ایک انوکھا نفسیاتی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہاں ایسے کافی ہاؤسوں وغیرہ میں جہاں بل وصول کرنے کے لیے کوئی شخص متعین نہیں ہوتا، بلکہ وہاں رکھے ہوئے ایک بکس میں پیسے ڈالنے ہوتے ہیں۔ اس کے قریب مختلف زاویوں سے دو انسانی آنکھوں والی تصویریں لگا دی گئیں۔ پہلے کچھ لوگ موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بل ادا کیے بغیر ہی چلے جاتے تھے، لیکن اب آنکھوں والی تصویر لگانے سے حیرت انگیز تبدیلی رونما

ہوئی۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جنھوں نے بل ادا نہیں کیا۔ یہ آنکھیں اس بات کی علامت بن گئیں کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔

انسان کا ضمیر بڑا ہوتا ہے یا 'کوئی دیکھ رہا ہے' کا خوف۔ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں۔ جن معاشروں میں اخلاقیات کا چلن زیادہ ہوتا ہے وہاں ضمیر ہی درست فیصلہ کرتا ہے۔

انسان کا ضمیر واقعی واحد ایسی شے ہے جو اسے بے ایمانی سے روکتا ہے۔ برطانیہ کے لوگ باشعور ہیں۔ آنکھوں والی تصویر ان کے ضمیر کو بیدار کر دیتی ہے۔

اقوالِ شیخ سعدی

ایمن شاہد، میر پور خاص

☆ دن کی روشنی میں رزق تلاش کرو اور رات کی تاریکی میں اُسے تلاش کرو جو تمھیں رزق دیتا ہے۔

☆ بادشاہوں کو وہی نصیحت کر سکتا ہے جسے اپنے سر کا خوف ہو اور نہ مال کی تمنا ہو۔

☆ دنیا کا مال زندگی کے آرام اور سکون کے لیے ہے، نہ کہ زندگی مال جمع کرنے کے لیے۔

☆ جاہل آدمی ڈھول کی مانند ہوتا ہے، اس کی آواز بلند ہوتی ہے، مگر اندر سے خالی ہوتا ہے۔

☆ جو بچپن میں تمیز نہیں سیکھتا وہ بڑا ہو کر بھی نہیں سیکھتا۔

☆ اگر تم اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو احسان کرو لوگوں پر جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا۔

☆ جو دوسروں کے غم سے بے تعلق ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

محمد عثمان عرفان، فیصل آباد

☆ ۷۲ سال کی عمر تک کے آدمی کا دل تین ارب مرتبہ دھڑک چکا ہوتا ہے۔

☆ اصلی ہیرا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ آپ اسے چھو کر بتا سکتے ہیں کہ وہ اصلی ہے یا نقلی۔

☆ آدمی کے داڑھی کے بال، اتنی ہی موٹائی کے تانبے کے تاروں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

☆ اگر آپ چھے میل فی گھنٹے کی رفتار سے بغیر رکے سیدھے دوڑتے جائیں تو ۱۷۳ دنوں میں پوری دنیا کا چکر لگا سکتے ہیں۔

نونہال ادیب

نونہال قلم کاروں کی تحریریں جو اُنھیں آگے چل کر یاد دلائیں گی کہ اُنھوں نے لکھنے کا آغاز کیسے کیا تھا

- عاطف حسین شاہ، چکوال
- اریبہ ارم اعوان، مظفر گڑھ
- زہرہ کنول اعوان، مظفر گڑھ
- محمد اعجاز فاروق، لکی مروت
- زینب محبوب اعوان، مظفر گڑھ
- ردا حمید، کراچی
- سیدہ زینب علی، کراچی

باادب

عاطف حسین شاہ، چکوال

ہاشم نہم جماعت کا ایک ذہین طالب علم تھا۔ وہ ہر ٹیسٹ اور امتحان میں اول آتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ ایک شرارتی دوست کی صحبت میں اس کا دھیان شرارتوں کی جانب ہوگیا۔ سب بچے اس کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے محظوظ ہوتے۔ ہاشم اسے اپنی کام یابی سمجھتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاشم کی چھوٹی چھوٹی شرارتیں بڑی شرارتوں میں بدل گئیں۔ چٹکی کی جگہ تھپڑ اور مکوں نے لے لی۔ اب اس سے بچے تنگ ہونے لگے تھے۔ بچوں کے والدین ہاشم کی شکایتیں لے کر اسکول آ جاتے۔ اساتذہ نے اسے ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی، مگر ہاشم روز بہ روز بگڑتا چلا گیا۔ اسکول کا سارا عملہ ہاشم کے اس رویے سے تنگ آ چکا تھا۔

استاد کے فرائض میں سکھانا شامل ہے۔ جو بچے اساتذہ سے کچھ سیکھ جاتے ہیں، انھیں زندگی میں دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ اساتذہ اپنا فرض نبھاتے رہے اور ہاشم اساتذہ کی باتیں ہوا میں اُڑاتا رہا۔ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا اور امتحان سر پر آ پہنچا۔ ہاشم کو یہ گوارا نہیں تھا کہ کام یابی میں اس سے کوئی آگے نکل جائے۔ اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کتابوں پر نظریں جمادیں۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ ایک سطر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے بہت زور مارا، مگر دماغ نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ امتحان میں دو دن باقی تھے، مگر ہاشم مناسب تیاری نہ کر پایا۔ وہ مقابلے سے پہلے ہی خود کو ہارا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس پریشانی میں وہ اپنی تمام شرارتیں بھول گیا۔

سر رضوان نے اس بات کو محسوس کیا۔ انھوں نے ہاشم کو اسٹاف روم میں بلوایا اور وجہ پوچھی۔

ہاشم کافی گھبرایا ہوا تھا، مگر سر رضوان کا شفقت بھرا لہجہ دیکھ کر اس نے ہمت کر کے ساری پریشانی بتا دی۔

سر رضوان بولے: ''ہاشم ! کیا آپ باادب بامراد کا مطلب جانتے ہیں؟''

''جی سر! بڑوں کا ادب کرنے والے کو کامیابی ملتی ہے۔'' ہاشم فوراً بولا۔

''بالکل درست کہا، علم کا تعلق بھی ادب سے ہے۔ اگر آپ واقعی زندگی میں جیتنا چاہتے ہیں تو علم سے جڑی ہر چیز کا ادب کرنا سیکھیں۔ یاد رکھنا علم کا سب سے بڑا سرچشمہ اُستاد ہوتا ہے۔ اُستاد کی توہین کر کے آپ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔''

سر رضوان کو اس سے آگے بولنے کی ضرورت نہیں رہی تھی، کیوں کہ ہاشم کی ندامت اس کے آنسوؤں سے ظاہر ہو چکی تھی۔ ہاشم نے سر رضوان سے معافی مانگی اور عہد کیا کہ وہ آئندہ کبھی اُستاد کی توہین نہیں کرے گا۔ دن رات ایک کر کے ہاشم نے محنت کی اور امتحان دے دیا۔ جب نتیجہ نکلا تو پہلی تینوں پوزیشن میں ہاشم کا نام نہ آ سکا۔ وہ پاس ہو گیا تھا، اس کے لیے یہی بہت تھا۔ اتنا خوش وہ کبھی اول آنے پر بھی نہ ہوتا تھا، جتنا آج تھا۔ اس نے اُستاد کا احترام کرنا سیکھ لیا تھا۔ اب وہ باادب ہو چکا تھا۔

چچا بہادر

اریبہ ارم اعوان، مظفر گڑھ

وہ چھوٹے چھوٹے گھروں پر مشتمل ایک خوب صورت گاؤں تھا۔ جہاں سرسبز کھیت لہلہا رہے تھے۔ صبح شام مختلف پرندوں کی سریلی آواز سے نغمگی پھیل جاتی۔ پھولوں کی خوشبو فضا کو مزید معطر بنا دیتی۔ پھر شاید اس خوب صورت گاؤں کو کسی کی نظر لگ گئی۔ چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں تواتر سے ہونے لگیں۔ لوگ ان وارداتوں سے تنگ آ چکے تھے، مگر اس مسئلے کا حل نہیں مل رہا تھا۔ پولیس نے بھی کوشش کیں، مگر ناکام رہی۔ وہ چوری یا ڈکیتی کر کے فوراً غائب ہو جاتے۔ کوئی نہ

کوئی ان کا شکار بن ہی جاتا تھا۔
ایک دن چچا دین محمد شام کے وقت گھر لوٹ رہے تھے۔ وہ کچھ خوف زدہ سے لگ رہے تھے۔ وہ جلدی جلدی اپنے گھر کی طرف قدم اُٹھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں سنہرے بالوں والی ایک خوب صورت سی گڑیا تھی جو وہ اپنی بیٹی کے لیے لے کر جا رہے تھے۔ ان کے پاس کچھ نقدی بھی تھی۔
ابھی وہ پگڈنڈی پر ہی تھے کہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے چاروں جانب دیکھنے لگے، مگر انھیں کوئی نظر نہ آیا۔ اندھیرا ابھی بہت چکا تھا۔ ابھی وہ دو قدم ہی چلے تھے کہ کسی نے پیچھے سے ان پر چھلانگ لگائی۔ وہ منھ کے بَل گرے اور ان کے منھ سے دردناک چیخ بلند ہوئی، لیکن وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ فوراً ایک ڈاکو ان کے قریب آیا اور ان کی کنپٹی پر پستول رکھ کر کہا: ''جو کچھ بھی ہے باہر نکالو اور ہمارے حوالے کر دو۔''
جب چچا گرے تھے تو ان کے ہاتھ سے گڑیا کہیں دور جا گری تھی۔ انھوں نے نقدی ڈاکو کے حوالے کر دی۔ نقدی ان کے حوالے کرنے کے بعد چچا گھر آ گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر سب پریشان ہو گئے۔ ان کی بیٹی راضیہ کو جب پتا چلا تو اپنے والد سے معافی مانگی کہ آئندہ فضول چیزوں کے لیے ضد نہیں کرے گی۔
دوسرے دن صبح گاؤں میں ڈاکوؤں کے پکڑے جانے کی خبر پھیل گئی۔ سب لوگ حیران تھے، مگر چچا مسکرا رہے تھے، کیوں کہ یہ انہی کا منصوبہ تھا۔ جب لوگ وارداتوں سے تنگ آ گئے تو چچا نے ایک منصوبہ بنایا اور خود ہی اس پر عمل کیا۔ انھوں نے پولیس کو منصوبے سے آگاہ کیا۔ پولیس کھیتوں میں چھپ گئی۔ جب چچا نے چیخ ماری، جو پولیس کو ڈاکوؤں کی موجودگی کا احساس دلانے کا اشارہ تھی۔ پولیس نے ڈاکوؤں کو پکڑ لیا۔ اس بہادری پر چچا کو پولیس کے محکمے کی طرف سے بڑا انعام ملا۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے بیٹی کی تعلیم کا خرچ بھی اُٹھا لیا۔
چچا کی بہادری کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں کو بھی چوروں سے نجات مل گئی اور ساتھ ہی ان کی بیٹی کا مستقبل بھی سنور گیا۔

احساس

زہرہ کنول اعوان، مظفر گڑھ

وہ بہت خوب صورت خواب دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی کمر پر ایک زوردار لات پڑی اور وہ چیخ کر اُٹھ بیٹھی۔ چچی کی آواز اس کے کانوں میں گونجی: ''اُٹھ کم بخت! ابھی تک سو رہی ہے۔'' فوزیہ کو کالج بھی جانا ہے، چل اُٹھ ناشتا تیار کر کے میز پر لگا۔ بے چاری سعدیہ اپنی کمر کو پکڑتے ہوئے اُٹھی اور روتی ہوئی باورچی خانے کی جانب چل پڑی۔

وہ باورچی خانے میں جا کر ناشتا بنانے کے ساتھ ساتھ تیزی سے برتن بھی دھونے لگی۔

اب تک اس خوب صورت خواب کا منظر اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس گرا اور ٹوٹ گیا۔ گرنے کی آواز سن کر اس کی چچی آگ بگولا ہو کر وہاں پہنچی اور تھپڑ مارنے کے ساتھ ساتھ بُرا بھلا کہتی رہیں۔

وہ بہت چھوٹی تھی جب اس کے والدین ایک حادثے کا شکار ہو کر انتقال کر گئے تھے تو اس کے چچا، چچی اسے اپنے گھر لے آئے اور بہت پیار سے رکھا۔ تب ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ پھر جب ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی تو چچی نے اس پر ظلم کرنا شروع کر دیے۔ وہ اپنی چچی کی مار پیٹ سے بہت تنگ آ گئی تھی۔

ایک دن معمول کے مطابق چچی اسے باتیں سنا کر باہر گئی تھیں کہ اچانک ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ سعدیہ سارے کام چھوڑ کر باہر آئی تو چچی کو زمین پر گرا ہوا دیکھا۔ اس نے چچی کو سہارا دے کر اُٹھانے کی کوشش کی، مگر نہ اُٹھا سکی۔ اس نے جلدی سے چچی کے موبائل سے چچا کو فون کر کے بلایا اور اس کے چچا جلدی سے گاڑی لے کر گھر پہنچے اور چچی کو اسپتال لے کر پہنچے۔

ڈاکٹروں نے کہا کہ ان کی دائیں ٹانگ بُری

طرح سے ٹوٹ گئی ہے۔ ٹھیک ہونے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگے گا۔ اس دوران ان کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔

وہ سب گھر پہنچے تو اس وقت فوزیہ بھی کالج سے گھر آ گئی۔ جب اس نے اپنی ماں کی یہ حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوئی۔ سعدیہ نے اسے بتایا کہ ڈاکٹروں نے ان کا خیال رکھنے کو کہا ہے۔

فوزیہ نے کہا: ''یہ سب مجھ سے تو نہیں ہوگا۔ تم ہی خیال رکھا کرو۔'' یہ کہتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اب چچی کو احساس ہوا کہ فوزیہ ان کے قریب بھی نہیں آئی اور نہ کوئی کام کیا۔ جس سعدیہ پر وہ اتنے ظلم کرتی تھیں۔ مشکل میں وہی سعدیہ ان کے کام آئی تھی۔ ایک دن چچی نے سعدیہ سے معافی مانگی۔ سعدیہ نے انھیں دل سے معاف کر دیا۔ چچی ایک ماہ میں بالکل ٹھیک ہوگئیں۔ اس کے بعد چچی سعدیہ سے بہت پیار کرنے لگیں اور سارے کام مل کر کرتی تھیں، بلکہ اب انھوں نے سعدیہ کی پڑھائی دوبارہ شروع کروادی تھی۔

وقت کا سفر

زینب محبوب اعوان، مظفر گڑھ

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آج تمھاری بلی زخمی ہو جائے گی۔'' عدیل نے سلیم کو بتایا تو سلیم نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا: ''ضروری تو نہیں کہ تمھارا ہر خواب ہی سچ ہو۔''

عدیل خاموش ہوگیا۔ دوست اس کے خواب پر یقین نہیں کرتے تھے۔ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ جو تم خواب دیکھتے ہو اتفاقاً ویسا ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں اپنے اپنے گھر چلے گئے اور اس بات کو تو بھول ہی گئے۔ شام کو کھیل کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو پتا چلا کہ اس کی بلی گلی میں تیزی سے گزرتی ہوئی موٹر سائیکل کی زد میں آ کر زخمی ہوگئی ہے۔

سلیم بہت شرمندہ تھا کہ اس نے عدیل کی بات

کا یقین نہ کیا۔اس نے عدیل سے معافی مانگی۔
آج سارے بچے بہت خوش تھے۔ ان کے اسکول کا ایک گروپ میوزیم دیکھنے جارہا تھا۔ عدیل اور سلیم بھی ان میں شامل تھے۔عدیل نے سلیم کو بتایا کہ مجھے خواب میں ایک پرانے پتھر کے نیچے ایک چابی نظر آرہی ہے۔کچھ دیر بعد سب کے ساتھ عدیل اور سلیم میوزیم پہنچ گئے اور پتھر تلاش کرنے لگے۔اچانک عدیل نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:''یہ وہ پتھر ہے۔'' دونوں نے مل کر پتھر ہٹایا تو دیکھا وہاں ایک چابی دبی ہوئی نظر آئی۔ جب عدیل نے چابی اُٹھائی تو تیز طوفانی ہوا چلنے لگی اور پرنسپل سارے بچوں کو بلانے لگے تاکہ کوئی بچہ گم نہ ہوجائے۔عدیل اور سلیم وہ دروازہ تلاش کرنے لگے جس کی یہ چابی تھی۔ایک جانب انھیں ایک پرانا دروازہ نظر آیا۔دروازے میں چابی لگتے ہی دروازہ کھل گیا۔وہ اندر داخل ہوئے تو دروازہ خود بہ خود بند ہوگیا۔وہ آگے چل پڑے۔
چلتے چلتے شام ہوگئی۔ وہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں پر ایک گھر کا دروازہ بجایا اور ایک آدمی باہر آیا اور نے عجیب لباس پہن رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کو اندر لے گیا اور ان سے سوال کرنے لگا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں۔ جب دونوں نے اس آدمی کو بتایا تو وہ حیران رہ گیا اور کہا:''وہ اپنے زمانے سے سو سال پچھلے دور میں آگئے ہیں۔''
مجبوراً وہ دونوں وہاں رہنے لگے۔ وہ روزانہ دروازہ تلاش کرنے کے لیے جنگل میں ضرور جاتے تھے۔اس طرح دو سال گزر گئے۔
ایک دن عدیل نے خواب میں پھر وہی دروازہ دیکھا اور جلدی عدیل کو بتایا۔ پھر وہ دونوں اسی راستے پر آگئے تو دیکھا کہ سامنے دروازہ موجود تھا۔ وہ بہت خوش ہوئے، لیکن پھر اُداس بھی ہوئے کہ پتا نہیں ان کے گھر والے کس حال میں ہوں گے۔ وہ تو ان کے آنے کی اُمید ختم کر چکے ہوں گے،لیکن جب وہ دروازہ کھول کر باہر آئے تو دیکھا کہ ابھی استاد صاحب بچوں کو بلا کر ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔طوفان ختم ہو چکا تھا ،وہ خوش ہوئے اور بچوں میں شامل ہوگئے۔

وہ خواب تھا

ردا حمید، کراچی

رات کا وقت تھا۔ اور ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر دیکھا تو میرا بھائی حمزہ کھڑکی کی طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ رنگ کی روشنی سی چمک رہی تھی اور چہرے سے وحشت تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: ”رات کے دو بجے تم یہاں کھڑکی کے پاس کیا کر رہے ہو؟“ اس نے بھاری سی آواز میں کہا کہ تم سو جاؤ۔ یہ اس کی آواز نہیں تھی۔ ڈر کے مارے مجھے نیند نہیں آئی۔ جب میں اُٹھی تو میں نے دیکھا کہ ہمزہ باورچی خانے میں موبائل فون کے بغیر اکیلے کھڑے ہو کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ میں اس سے پوچھنے لگی کہ کس سے بات کر رہے ہو میرے کاندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں بھی حمزہ ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں بے ہوش ہوگئی۔ کس کے جھنجوڑنے سے میری آنکھ کھلی تو امی جان کھڑی تھیں۔ امی نے کہا جلدی کرو، ساڑھے سات بج رہے ہیں، آٹھ بجے اسکول کی وین لینے آئے گی۔

چور پکڑے گئے

سیدہ زینب علی، کراچی

”سر، سر! آج پھر جام نگر میں چوری ہوگئی ہے۔“ اس بار چوری سیٹھ عارف صاحب کے بنگلے میں ہوئی ہے۔ عارف صاحب بتا رہے ہیں کہ صبح جب وہ اُٹھے تو انھوں نے دیکھا کہ تجوری کا تالا ٹوٹا ہوا ہے اور تمام زیور

اور نقدی وغیرہ غائب۔'' انسپکٹر راشد غور سے اپنے ماتحت کی بات سن رہے تھے۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ چور کس طرح اتنی صفائی کے ساتھ چوری کرتا ہے اور نکل جاتا ہے اور کسی کو پتا تک نہیں چلتا۔'' انسپکٹر راشد پریشانی سے بولے۔

جام نگر میں یہ تیسری واردات تھی۔ اس سے پہلے بھی چور دو گھروں کی تجوریوں پر ہاتھ صاف کر چکا تھا۔ ابھی ان دو وارداتوں کا سراغ نہیں ملا تھا کہ تیسری واردات بھی ہوگئی۔

انسپکٹر راشد پریشان اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ماتحت ایک شخص کے ساتھ داخل ہوا۔ اس شخص نے بتایا: ''انسپکٹر صاحب! میں رات کو موٹر سائیکل پر اپنے گھر جا رہا تھا تو اچانک میری نظر دو لوگوں پر پڑی، جن کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے اور ایک شاپر میں شاید زیورات وغیرہ تھے۔ پھر وہ لوگ بائیک پر بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔'' وہ شخص تھوڑی کے لیے رکا۔

'''پھر......؟'' انسپکٹر راشد بے چینی سے بولے۔

''مجھے ان پر شک ہوگیا اور میں ان کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ لوگ ایک ویران بستی کی طرف مڑ گئے۔ میں نے ایک کاغذ پر بائیک کا نمبر نوٹ کر لیا تھا، یہ لیجیے۔'' اس نے ایک کاغذ انسپکٹر راشد کو دیا۔ انھوں نے نمبر دیکھا اور کاغذ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''کیا تم اس بستی کا پتا بتا سکتے ہو؟'' انھوں نے پوچھا۔ ''جی ضرور۔'' اس شخص نے کہا اور ساتھ ہی پتا بتا دیا۔

''آپ کا معلومات دینے کے لیے شکریہ۔'' پھر وہ شخص چلا گیا۔ انسپکٹر راشد نے اپنے ماتحت سے کہا: ''ہمیں فوراً کارروائی شروع کرنی ہوگی، کہیں ایسا نہ ہو کہ چور مزید کوئی واردات کر دے۔ تم فوراً نفری تیار کرو۔''

''یس سر!'' ماتحت نے سلیوٹ کیا اور نکل گیا۔ کچھ ہی دیر میں انسپکٹر راشد اپنی جیپ میں بیٹھ گئے۔ جیپ میں انسپکٹر راشد اور ان کے ماتحت بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے کچھ نفری آ رہی تھی۔ ایک جگہ اچانک انسپکٹر راشد نے جیپ روک دی۔ ماتحت نے چونک کر ان سے وجہ پوچھی۔

''وہ دیکھو! سامنے جو موٹر سائیکل کھڑی ہے

اس کا نمبر وہی ہے جو اس شخص نے بتایا تھا۔“ انسپکٹر راشد نے کہا۔

”اوہ! اور سامنے بالکل وہی بستی ہے۔“ ان کے ماتحت نے کہا۔

”ایسا کرتے ہیں کہ جیپ باہر کھڑی کر کے پیدل آگے بڑھتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے سر! میں گاڑیوں کو رکواتا ہوں ضرورت پڑی تو بلوالیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ انسپکٹر راشد نے کہا۔ کچھ دیر بعد ماتحت واپس آیا تو وہ دونوں آگے چل پڑے۔ تھوڑا آگے پہنچ کر انھیں ایک آواز سنائی دی: ”باس! آج تو بڑی اہم فائلیں چوری کی ہیں۔“

”شاباش! ہمیں پولیس کبھی نہیں پکڑ پائے گی۔ ہاہاہاہا۔“

انسپکٹر راشد نے ماتحت سے کچھ کہا۔ وہ چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ پوری نفری تھی۔ ان سب نے دروازہ توڑ ڈالا اور ہال میں داخل ہوگئے۔ سارے چور گھبرا گئے۔ سب کو گرفتار کرلیا گیا۔ یوں جام نگر کے چور پکڑے گئے۔

بغل میں بچہ

محمد اعجاز فاروق، لکی مروت

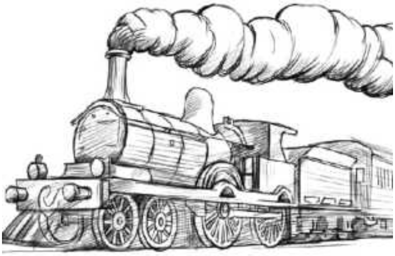

ریل گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک ایک زور دار جھٹکا لگا اور ریل گاڑی جنگل کے بیچوں بیچ رک گئی۔ سارے مسافر پریشانی کے عالم میں ریل گاڑی سے اُتر گئے اور آگے انجن کی طرف بڑھ گئے، تاکہ رکنے کی وجہ معلوم کرسکیں۔ شہاب الدین بھی اپنے بیٹے فیضان کے ساتھ نیچے اُتر گیا جو پچھلے دس گھنٹوں سے اپنے بیٹے بیوی کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ انجن کی خرابی تقریباً ایک گھنٹے میں ٹھیک ہوگی۔

انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سب لوگ

اِدھر اُدھر جنگل میں چلے گئے، تا کہ یہ ایک گھنٹا کسی طرح سے گزر جائے۔ شہاب الدین بھی انہی کے ساتھ جنگل کی طرف چلا گیا۔

جنگل میں کچھ دور جانے سے ان کو ایک نہر دکھائی دی، جس کے ساتھ پھل دار درخت بھی تھے۔ سب نے جا کر خوب پانی پیا اور جنگلی پھلوں سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ اچانک شہاب الدین نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر چیخنے لگا: ''میرا بیٹا کہاں گیا؟'' سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے بیٹے کے غائب ہونے پر کچھ لوگ اس کی تلاش میں جنگل میں چلے گئے۔

ایک گھنٹا ڈھونڈنے کے باوجود ان کا بیٹا کسی کو نظر نہیں آیا، جس کی وجہ سے سارے مسافر پریشان ہوگئے۔ شہاب الدین کے چہرے پر آنسوؤں کی لڑی بن گئی تھی۔ مسافر تسلی دے رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ جنگل میں گم ہوا ہوگا۔ کسی نے کہا کہ شیر نے اس کو اپنی خوراک بنایا ہوگا۔ شاید پانی میں ڈوب گیا ہوگا۔ سارے لوگ پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ آخر کہاں گیا ہوگا؟ شہاب الدین رو رو کر دعائیں مانگ رہا تھا۔

انجن ایک گھنٹے کے بعد ٹھیک ہو گیا اور ڈرائیور نے سب مسافروں کو ریل گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ شہاب الدین لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے ڈبے میں داخل ہوا۔ جونہی وہ اپنے ڈبے میں داخل ہوا تو اگلا لمحہ حیران کن تھا اور ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ان کا بیٹا برتھ پر مزے کی نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔ اس نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے سب مسافروں کو بلایا اور انھیں بھی اپنی خوشی میں شامل کر لیا۔ بیوی نے بتایا کہ وہ تو تمھارے ساتھ گیا ہی نہیں تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو جگایا اور گلے لگا کر خوب پیار کیا۔

اس دوران مسافروں میں سے ایک مسافر نے کہا: ''بغل میں بچہ، شہر میں ڈھنڈورا۔''

نونہال لغت

نفرین	نَ فْ رِ یْ ن	ملامت ۔ پھٹکار ۔ لعنت ۔
نقل مکانی	نَ قْ لے مَ کَا نِی	ایک مقام سے دوسری جگہ جانا ۔ مکان تبدیل کرنا ۔
نمائندہ	نُ مَا ءِ نْ دَ ہ	دکھانے والا ۔ قائم مقام ۔ ترجمان ۔
تاویل	تَا وِ یْ ل	کسی بات کو اس کے ظاہری مطلب سے پھیر دینا ۔ عذر ۔ تشریح ۔
بدعنوان	بَ دْ عُ نْ وَا ن	ہیرا پھیری کرنے والا ۔ رشوت خور ۔ بد اطوار ۔ بدقماش ۔
برتر	بَ رْ تَ ر	زیادہ بلند ۔ زیادہ بزرگ ۔ ترجیح رکھنے والا ۔ غالب ۔
ٹھاٹ	ٹھَا ٹ	شان و شوکت ۔ آن بان ۔ ناز و انداز ۔ کروفر ۔ فیشن ۔
سپاٹ	سِ پَا ٹ	ہموار ۔ برابر ۔ مسطح ۔
ٹھیس	ٹھے س	خفیف ضرب ۔ ہلکی سی رگڑ ۔
حاوی	حَا وِ ی	چھانے والا ۔ کسی فن میں کامل ۔ ماہر ۔
کندہ	کَ نْ دَ ہ	کھدا ہوا ۔ منقش ۔ مثبت ۔
خندہ پیشانی	خَ نْ دَ ہْ پے شَا نِی	ہنس مکھ ۔ خوش مزاج ۔ شگفتہ رو ۔
لڑنت	لَ ڑَ نْ ت	پہلوانی ۔ کشتی ۔ زور آزمائی ۔ جنگ ۔
وقعت	وَ قْ عَ ت	عزت ۔ اعتبار ۔ ساکھ ۔
واجبی	وَا جِ بِی	درست ۔ معقول ۔ ٹھیک ۔ ضروری ۔ معمولی ۔
سرزنش	سَ رْ زَ نِ ش	ملامت کرنا ۔ بُرا بھلا کہنا ۔
خطیر	خَ طِ یْ ر	کثیر ۔ بہت ۔ بڑا ۔ عالی رتبہ ۔
خوار	خَ وَا ر	ذلیل ۔ رسوا ۔ بے عزت ۔ بے اعتبار ۔ آوارہ ۔ سرگرداں ۔